بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقوام عالم کے نام ایک آفاقی پیغام



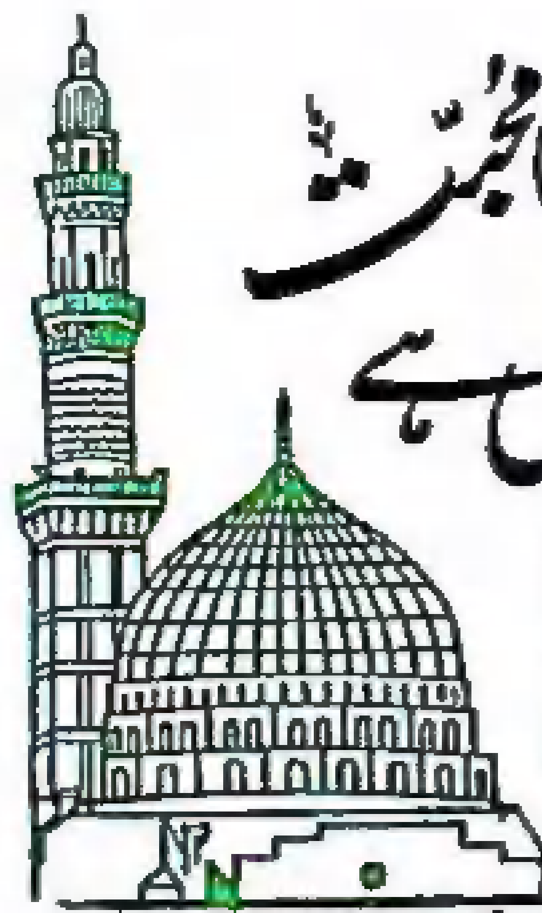
فلسفہ موت و حیات پر فکر انگیز ادبی شاہکار

مؤلف

میاں علم الدین قادری اویسی

ناشر: ادارہ علم و عرفان پاکپتن روڈ ساہیوال

نئی قیمت ۷۵ روپے



محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت
دین حق کی شرط اول ہے

295 - C میں کوئی تبدیلی
برداشت نہیں کی جائیگی

ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایکشن کمیٹی

۷۸۶
۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (القرآن)

اُس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کام کرتا ہے۔

مقامِ پرورش آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

انسان اور موت

خاکپائے درویشاں
فقیر علم الدین قادری اویسی
ادارہ علم و عرفان سکھیرا ٹاؤن
پاکپتن روڈ ساہیوال

نام کتاب ——— "انسان اور موت"

تاریخی نام ——— "فیضان عشق"

مؤلف ——— میاں علم الدین قادری اویسی

(ایم۔ اے، ایم ایڈ۔ فاضل ادبیات فارسی)

سائز ——— ۲۳ × ۱۸ / ۸

ضخامت ——— ۲۲۴ صفحات

تاریخ تالیف ——— یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

تاریخ اشاعت اوّل ——— ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۱۲ھ
بمطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۹۱ء

تاریخ اشاعت دوم ——— مارچ ۱۹۹۴ء

تعداد طباعت دوم ——— ایک ہزار

کتابت ——— عبدالجبار طارق خوشنویس ساہیوال فون ۶۸۲۹۳

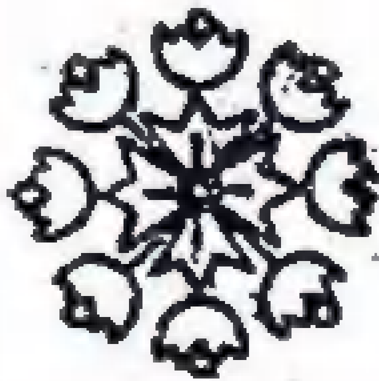
ناشر ——— ادارہ علم و عرفان پاکپتن روڈ ساہیوال

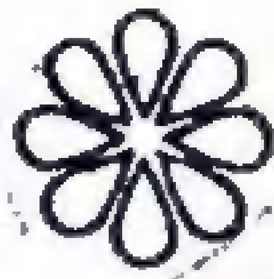
قیمت ۵۰/- روپے

ملنے کا پتہ : ادارہ علم و عرفان
پاکپتن روڈ ساہیوال

انتساب

فقیر مؤلف اپنی کاوش "انسان اور موت" کو اپنی "والدہ مرحومہ" کے نام نامی سے معنون کرتا ہے۔ بدیں جہت کہ کتاب ہذا کی تالیف انہی کی محبت اور فیضانِ نظر کا حاصل ہے۔





نگاہے یا رسُول اللہ نگاہے
ہمیشہ گر نباشد گاہے گاہے



امامت

تُو نے پُوچھی ہے امامت کی حقیقت مُجھ سے
حق تُجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے

ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تُجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کے رُخِ دوست
زندگی تیرے لئے اَور بھی دُشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطین کا پرستار کرے



اقبالؔ (ضربِ کلیم)

آئینۂ مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	جسم کی خوابی کیفیت	۱۰۵
	جسم کی برزخی نوعیت	۱۰۷
	اہل جنت کے جسم کی انفرادیت	۱۰۹
	جہنم اور جہنمی	۱۱۱
۷	فصل پنجم ۔ فوت شدگان سے ملاقات	۱۱۲
	خواب کی حقیقت	۱۱۳
	خواب میں ملاقات	۱۲۳
	فقیر مؤلف کی سلف صالحین سے چند خوابی ملاقاتیں	۱۲۷
	فوت شدگان سے بیداری میں ملاقات	۱۳۳
۸	فصل ششم ۔ موت کا قبل از وقت علم	۱۳۷
	عجائبات دل	۱۳۸
	دل (نظم)	۱۳۹
	اولیائے عظام اور موت کا علم	۱۴۶
	فقیر مؤلف کا خوابی تجربۂ موت	۱۵۰
۹	فصل ہفتم ۔ انسان اور عالم برزخ	۱۵۸
	عالم برزخ	۱۵۸
	چند بزرگان سلف کے برزخی حالات	۱۶۳

رخ اج ہ نتم الذی ادوای حج و ب اللہ
وحن نی اللّٰرحن

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنسان بھی ایک طرفہ تماشا ہے۔ دیکھنے میں ایک چھوٹے سے جرثومے کی ارتقائی صورت ہے، مگر ازل اور ابد کو ساتھ لئے ہوئے ہے، عدم سے وجود میں آنے والی یہ ہستی اپنی زندگی کی بہار دکھا کر پھر نئے راستوں پر عازم سفر ہو جاتی ہے۔

ہر چند کہ موت سے مفر نہیں۔ مرنے کے بعد انسانی جسم کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ مگر بعض اوقات مرنے والوں سے خواب اور بیداری میں دوبارہ رابطہ قائم ہو جاتا ہے۔ بالخصوص نیک لوگ دُنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اُپنے دوستوں سے تعلق استوار رکھتے ہیں۔ باہم فیض رسانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو پھر موت کیسی!

زیرِ نظر کتاب " انسان اور موت " میں فقیر مؤلف نے انسان کی آفاقی حیثیت کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ مزید براں موت کی حقیقت سے نقاب کشائی کرنے کی ذمہ دارانہ کوشش کی گئی ہے۔ قرآن و حدیث اقوالِ بزرگان اور ذاتی مکاشفات کی روشنی میں جملہ حقائق کو پیش کیا گیا ہے۔ موت سے متضمن ممکنہ تنقیحات کی تصوّف کے پیرایہ میں توضیح کی گئی ہے۔ اِنسانی سفر کے تمام مراحل یعنی عالمِ ارواح، عالمِ دُنیا، عالمِ برزخ حشر و نشر اور مقامات جنّت وغیرہ کو شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے۔

فقیر مؤلف کو اپنی بے بصری اور علمی کم مائیگی کا بھی اعتراف ہے۔

اس تالیف سے قبل صوفیائے کرام اور غیر مسلم مفکّرین مختلف ادوار میں اس مسئلہ پہ بے شمار فکر انگیز تصانیف پیش کر چکے ہیں۔

دور حاضر کے محققین جناب رحمت اللہ لدھیانوی اور خواجہ محمد اسلام کی کتب "موت کا منظر" عرصہ دراز سے قارئین کے زیر مطالعہ ہیں۔

فلسفہ موت و حیات کے ضمن میں علاّمہ اقبال اپنے مخصوص خیالات و افکار کا لوہا منوا چکے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں امام غزالی اپنی شہرہ آفاق تصنیف "احیاء العلوم" میں روح موت اور عالم برزخ کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنے خیالات پیش کر چکے ہیں۔ علاّمہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ کی کتاب "شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ و القبور" ہر دور میں قبول عام کی سند حاصل کر چکی ہے۔ ایک عیسائی مصنف برٹرنڈ رسل کے مقالہ بعنوان "خوف موت" میں حقیقتِ موت پر شرح و بسط سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ علامہ حافظ ابن قیمؒ اپنی تحریروں میں فلسفہ موت و حیات کے بارے میں بصیرت افروز افکار پیش کر چکے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں انسان کی آفاقی حیثیت کو بالتفصیل پیش کیا ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام بھی اپنے ملفوظات میں انسان اور موت کے بارے میں دقیق نکات لوگوں کی راہنمائی کے لئے رقم کرتے رہے ہیں۔ مسلمان مفکّرین سعدی، رومی، حافظ اور عمر خیام اپنی شعری تخلیقات میں انسان اور موت کے ضمن میں بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ "انسان اور موت" کا موضوع ہمیشہ سے

بین الاقوامی اہمیت کا حامل رہا ہے، سابقہ ادوار میں ہر قوم اور ہر مذہب کے دانشوروں نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ چنانچہ اتنے عظیم علمی اور فکری سرمایہ کے ہوتے ہوئے فقیر مؤلف کے اس کتابچہ کی کیا حیثیت ہوگی۔ تاہم وہ ایک معنی خیز تجسّس سے سرشار ہو کر کتاب ہذا کی تالیف کے لئے کوشاں ہوا تا آنکہ اس کا مسودہ مکمل ہو گیا۔ فقیر نے اپنی اس تالیف کے سلسلے میں تقریباً دس ہزار درویشوں اور دانشوروں سے بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ قرآن و حدیث اور اقوال بزرگان کا بنظر استحسان مطالعہ کیا۔ اور اپنے خوابی مشاہدات کے ذریعے حاصل کردہ جملہ حقائق کو یکجا کرتے ہوئے یہ نسخۂ کیمیا مرتب کیا۔

اس نازک موضوع پر سابقہ کتب میں متباین نقطہ ہائے نظر کو پیش کیا گیا ہے۔ اِن کتب کے مطالعہ کے بعد قاری کے ذہن میں ابہام کا پیدا ہو جانا قدرتی بات ہے۔ مگر زیر نظر تالیف میں اس ابہام کو دُور کرنا مؤلف کا خاص مطمحِ نظر رہا ہے۔ اپنی سابقہ پچاس سالہ زندگی کے تحقیقی مطالعہ، تجربات اور رُوحانی مشاہدات کے بعد جو کچھ اس کے ذہن میں اجاگر ہوا اس نے اسے سادہ اور بلیغ انداز میں اپنی اس تالیف میں پیش کر دیا ہے۔ اِنسانی عظمت کا بے باک تحقق اس تالیف کا خاص مقصد ہے۔ موت محض ایک انقلابی عمل کا نام ہے، دورِ حاضر کے عمرانی، سائنسی اور مابعد الطبیعاتی تقاضوں کے تناظر میں جملہ حقائق کا استحضار کیا گیا ہے۔

یہ امر واقعہ ہے اکثر علمائے کرام نے موت کو محض ڈرانے والی شے سے تعبیر کیا ہے۔ اسی طرح مفسّرین نے بھی اپنی تحریروں کو نقلی علوم تک محدود رکھا ہے۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ مختلف فرقوں میں

منقسم ہو چکی ہے اور یہ فرقے باہم متعارض دکھائی دیتے ہیں۔ بدیں جہت لوگوں کی اکثریت فکری انتشار اور ذہنی خلفشار کا شکار ہے۔ ان حالات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تالیف ھٰذا میں حقائق کا اظہار اس انداز میں کیا گیا ہے کہ کسی بھی مذہب ملّت یا فرقہ کی دل آزاری نہ ہو۔ اس ضمن میں قرآنی تصریحات کو عام فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ نیز پیغمبر اسلام حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادات گرامی کی توضیح محبّت آمیز پیرائے میں کی گئی ہے۔

کتاب ھذا میں ترہیب کی بجائے ترغیب مایوسی کی بجائے حوصلہ افزائی اور نفرت کی بجائے محبّت کو اپنایا گیا ہے۔

امید واثق ہے کہ زیر نظر تالیف "انسان اور موت" کے بارے میں پلنے جلنے والے شکوک و شبہات کو رفع کرنے میں معاون ثابت ہوگی۔

فقیر مؤلف اپنے عظیم بزرگوں گرامی قدر دوستوں اور عالی مرتبت بہی خواہوں کا صمیم قلب سے ممنونِ احسان ہے جن کی بے پایاں محبّت، بے لوث راہنمائی اور پُرخلوص تعاون کے نتیجہ میں کتاب ھذا کی تالیف پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

بارگاہ ربّ العزّت میں دُعا ہے کہ وُہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی کے صدقے میں فقیر مؤلف کی اس پُرخلوص کوشش کو شرف قبولیّت سے سرفراز فرمائیں۔ مزید برآں قارئین کرام کے لئے اسے ہمہ جہت راہنمائی اور رُوحانی بالیدگی کا ذریعہ بناتے ہوئے فقیر کے لئے توشۂ آخرت بنائیں۔ آمین۔

فقیر علم الدّین قادری اویسی (مؤلف)
ادارہ علم و عرفان پاکپتن روڈ ساہیوال
یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

مقدمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ہر ذی شعور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہے کہ وہ خود کیا ہے ؟ یہ کائنات کیا ہے؟ اللہ تعالےٰ کیا ہے ؟ اور انسان کا اللہ تعالےٰ اور کائنات سے کیا رشتہ ہے ؟

جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالےٰ قادرِ مطلق ہے ۔ وہی کائنات کو پیدا کرنے والا ہے ۔ اس کا ہر فعل سراپا حکمت ہے ، چاند ، سورج ، سیارے زمین و آسمان غرضیکہ سب کچھ اسی نے بنایا ہے ۔ بموجب نص قرآنی " لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ " ارض وسما کی ہر شے اللہ ہی کے لئے ہے ۔ اللہ تعالےٰ کی صفات اس قدر بے شمار ہیں کہ اگر تمام سمندر سیاہی ، اشجار قلم ، زمین و آسمان صفحات اور جن و انس لکھنے والے بن جائیں تو یہ سب کچھ تمام ہو جائے مگر اللہ تعالےٰ کی صفات کا پھر بھی احاطہ نہ ہو سکے ۔

تخلیق کائنات کے پس پردہ بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہیں ۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَقَدْ خَلَقْتُ الْخَلْقَ " ، یعنی میں پوشیدہ خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں ۔ پس میں نے مخلوقات کو پیدا کیا ۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے اظہار کے لئے کائنات کو پیدا فرمایا ہے ۔ بقول غالب :

؎ دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

سرکار دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو پیدا کیا اور پھر تمام کائنات کو میرے نور سے وجود بخشا گیا۔ بقول ایک شاعر

؎ جب ان کو اپنے حسن کے جلوے دکھانے کا خیال آیا
حریم ناز سے پردے اُٹھانے کا خیال آیا
چراغِ بزم ہستی کے جلانے کا خیال آیا
تو محمد کملی والے کے بنانے کا خیال آیا

جان لینا چاہیئے کہ یہ کائنات از خود معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ ایک عظیم المرتبت ہستی کے دستِ قدرت کا شاہکار ہے۔ کائنات کی ہر شئے خالق کائنات کی صناعی پر گواہی دے رہی ہے۔ مظاہر فطرت میں پایا جانے والا نظم و ضبط کسی بے مثل منتظم کے حُسنِ تدبّر کا اعجاز ہے۔ موت و حیات کے ضمن میں انسان کی بے بسی خالق کائنات کی کبریائی کا بیّن ثبوت ہے۔ ہزاروں لاکھوں قسم کی مخلوقات کی آفرینش اور پرورش اس کی ربوبیّت پر شاہد ناطق ہے۔ اجرام فلکی کے حرکی اثرات ہستی مطلق کی صنعتِ تخلیق کے تاثرات ہیں۔ جدید سائنسی ایجادات فی الواقع قدرت کے سربستہ رازوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لیل و نہار کا پیدا کرنا اور حوادث زمانہ کا ان سے ملزوم کر دینا مالکِ کائنات کی معنی خیز حکمت پر مبنی ہے۔

؎ تعمیرِ زندگی ہو یا تشکیلِ کائنات
ہر حُسن حُسنِ یار کا احسان مند ہے

کائنات میں انسان بذاتِ خود ایک عجوبہ ہے۔ اس کی بے چگونی درحقیقت ہستی مطلق کی جلوہ گری کا پرتو ہے۔ کائنات ارضی انسان کے لئے بمنزلہ ایک تربیت گاہ ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے کہ انسان کو کائناتِ ارضی میں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ مزید برآں اسے ایک خاص امانت سے سرفراز کیا گیا ہے جسے کائنات کی تمام چیزوں نے اٹھانے سے انکار کیا۔ انسان کو زمین و آسمان کے سربستہ رازوں سے آگاہ فرمایا گیا ہے۔ اور جو کچھ ان میں موجود ہے اسے انسان کے تصرف میں دے دیا گیا ہے ...... مستزاد یہ کہ عقلِ سلیم سے مشرف فرماتے ہوئے اسے کائناتِ ارضی میں بھیج دیا گیا ہے۔

؎ اتنا کہاں بہار کی رنگینیوں میں جوش
شامل کسی کا خونِ تمنا ضرور ہے

اگرچہ مادہ پرست انسان نے اپنی عقلی موشگافیوں کے ذریعے کائنات کے پس منظر کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ زندگی کے مقصد کا تعین کرتے ہوئے تعقل پسند انسان ہنوز درج ذیل نظریات کو پیش کرنے کے قابل ہو سکا ہے۔

(الف) نظریہ مثالیت: یعنی انسان دنیا میں ایک آئیڈیل قسم کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔

(ب) نظریہ اظہاریت: یعنی انسان اپنی امکانی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار چاہتا ہے۔

(ج) نظریہ جذبۂ بقائے دوام: یعنی انسان اس کائنات میں خود کو ہمیشہ باقی دیکھنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہمیشہ انقلابی سرگرمیوں کی تلاش میں رہتا ہے۔

(د) نظریہ تسکین جذبۂ نفسانی: یعنی انسان صرف نفسانی جذبہ کی تسکین کے لئے دَوڑ دُھوپ کر رہا ہے۔ کائنات ارضی میں ہر انقلاب کے پس پردہ انسان کی نفسانی تسکین کا جذبہ کارفرما ہے۔

(ر) بعض مفکرین نے حقیقت اصلیہ کی تلاش کو مقصد حیات قرار دیا ہے۔

چنانچہ ازمنہ قدیم میں انسان نے یونانی فلسفہ و حکمت کے تناظر میں مقصد زندگی کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ مدّت مدید تک عقلی علوم و فنون کا بول بالا رہا۔ ایک دَور میں انسان نے سیاست گری میں اپنی نجات اور کامیابی کو تلاش کیا۔ نتیجتہً جمہوریت، آمریت اور دیگر جدید طرز کی حکومتیں معرضِ وجود میں آئیں۔ فلاح اور نجات کی تلاش میں بہت سے ادیان اور مذاہب کو وضع کیا گیا۔ مگر یہ مذاہب ہمیشہ ایک دوسرے سے متصادم رہے موجودہ دَور سائنس کی حکمرانی کا دَور کہلاتا ہے۔ چنانچہ اب انسان سائنسی ایجادات کے ذریعے بہترین زندگی کا لطف اُٹھانا چاہتا ہے۔ بقول حالیؔ:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں

مگر قرآن مجید کی رُو سے ہر انسان فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ فطرت اسلام فی الواقع فطرتِ الٰہیہ ہے۔ چنانچہ انسان کی سعادت کا راز بھی معرفت الٰہیہ میں مضمر ہے۔ البتہ معرفتِ الٰہیہ کے لئے ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنی ذات کی معرفت حاصل کرے۔ بموجب ایک

حدیثِ مبارکہ : "مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ"
یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا۔ تاہم معرفتِ نفس اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ بموجب نصِ قرآنی: "اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا" (مائدہ ۳) اسلامی عقائد نظریات اور تعلیمات آفاقی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانی فلاح کا راز فی الواقع دینِ اسلام پیش کرتا ہے۔

چنانچہ جملہ انبیاء کرام بنی نوعِ انسان کو فلاح کا راستہ دکھانے کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ ان انبیاء کرام نے اپنے اپنے ادوار میں انسانی راہنمائی کا بطریقِ احسن فریضہ سرانجام دیا۔ اولیائے عظام انسانیت کے لئے صلح و آشتی اور محبت کا پیغام لائے۔ انہوں نے پاکیزہ زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہوئے انسان کو ہوس پرستی کی بھول بھلیوں سے باہر نکالنے کا کما حقہ اہتمام کیا۔

دورِ حاضر کا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے ہر شعبۂ زندگی میں حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ بیماریوں پر قابو پانے کا طب جدید کی روشنی میں اہتمام کر لیا گیا ہے۔ سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لئے بین الاقوامی سطح پر فلاحی ادارے تشکیل دیئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ زندگی کو انتہائی خوشگوار اور پُرمسرت بنانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی گئی ہے۔ مگر لمحہ فکر یہ ہے کہ بیماریاں بدستور انسان کا مقدر ہیں۔ انسانی ذہن بے چینی کا شکار ہے۔ اور اقوامِ عالم میں انتشار اور خلفشار بدستور موجود ہے۔

بقول علامہ اقبال :

؎ دیکھا بھی دکھایا بھی سُنایا بھی سُنا بھی
ہے دل کی تسلّی نہ خبر میں نہ نظر میں

غرضیکہ حق و باطل کی پیکار جاری ہے اور اقوام عالم باہم نفاق کا شکار ہیں۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان کو دُنیا میں محض آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے۔ دُنیا میں آج تک ایک بھی ایسا انسان پیدا نہیں ہوا جو یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہو۔ بموجب نص قرآنی "كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" ہر ذی نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا" (ملک ۲) یعنی موت و حیات کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ یہ دیکھا جائے کہ تم میں کون اچھے اعمال کرتا ہے البتہ دُنیاوی مال و دولت اور جاہ و طمطراق محض عارضی چیزیں ہیں۔

حقیقت سے صرف نظر کرتے ہوئے انسان زندگی کا حل کبھی دولت میں تلاش کرتا ہے۔ کبھی فنونِ لطیفہ اور راگ رنگ میں سکون کو ڈھونڈتا ہے عیسائی پادریوں بدھ بھکشوؤں اور ہندو یوگیوں نے ترک دنیا میں نجات اور فلاح کو تلاش کرنا چاہا۔ آج کی مغربی اقوام نے بھرپور زندگی میں فلاح کو ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ مگر ان کی یہ آرزو کبھی پوری نہ ہو سکی۔

سچ بات تو یہ ہے کہ

؎ نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
میرے جرم خانہ خراب کو تیرے عفو بندہ نواز میں

انسان کی فلاح کا راز سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع میں مضمر ہے۔ انسان کی نجات دینِ اسلام کو اپنانے اور خدمت خلق میں

پنہاں ہے۔ ہر چند کہ اسلام ترکِ دُنیا اور رہبانیت کا قائل نہیں۔ تاہم اسلام غفلت آشنا زندگی کو بھی رد کرتا ہے۔ اسلام ایک آفاقی حقیقت کو پیش کرتا ہے۔ اسلامی فلسفہ حیات کے مطابق انسانی زندگی کا سفر بہت طویل ہے۔ وہ عالم ارواح سے اُپنے سفر کا آغاز کرتا ہے۔ والدین کے توسط سے جہاں دُنیا میں وارد ہوتا ہے۔ مقررہ عرصہ حیات یہاں گزارتا ہے اور پھر موت کا ذائقہ چکھتے ہوئے عالم برزخ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حشر و نشر کا منظر دیکھنے کے بعد وہ بالآخر اپنے حسبِ حال مقام کو پالیتا ہے۔

سمجھتا ہے تو رازہے زندگی
فقط ذوق پروازہے زندگی

انسان (نظم)

منظر چمنستان کے زیبا ہوں کہ نازیبا
محروم عمل نرگس مجبور تماشا ہے

رفتار کی لذت کا احساس نہیں اس کو
فطرت ہی صنوبر کی محروم تمنا ہے

تسلیم کی خوگر ہے جو چیز ہے دنیا میں
انسان کی ہر قوت سرگرم تقاضا ہے

اس ذرہ کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں شاید سمٹا ہوا صحرا ہے

چاہے تو بدل ڈالے ہیئت چمنستان کی
یہ ہستی دانا ہے بینا ہے توانا ہے

اقبال (بانگ درا)

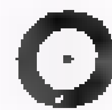
انسان (نظم)

انسان کو راز جو بنایا
راز اس کی نگاہ سے چھپایا

بے تاب ہے ذوق آگہی کا
کھلتا نہیں بھید زندگی کا

حیرت آغاز و انتہا ہے
آئینے کے گھر میں اور کیا ہے

اقبال (بانگ درا)



سرگزشت آدم (نظم)

سُنے کوئی میری غربت کی داستاں مجھ سے
بھُلایا قصۂ پیمانِ اوّلیں میں نے

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنّت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے

رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے

مِلا مزاج تغیّر پسند کچھ ایسا
کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے

نکالا کعبے سے پتھّر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بُتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے

کبھی میں ذوقِ تکلّم میں طور پر پہنچا
چھپایا نُورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے

سُنایا ہند میں آکر سرودِ ربّانی
پسند کی کبھی یونان کی سرزمیں میں نے

دیارِ ہند نے جب میری صدا نہ سُنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے

بنایا ذرّوں کو ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیٔ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے

لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

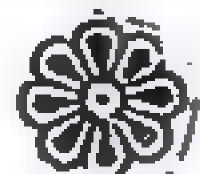
ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئینۂ عقلِ دُوربیں میں نے

کیا اسیر شعاعوں کو برقِ مضطر کو
بنا دی غیرتِ جنّت یہ سرزمیں میں نے

مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہہ نگیں میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اسے مکیں میں نے



اقبال (بالِ جبریل)

فصل اوّل

حقیقتِ انسان

انسان کی فکری تاریخ میں انسان بذاتِ خود انسان کے تحقیقاتی مطالعہ کا اہم موضوع رہا ہے۔ ہر دَور اور ہر زمانے میں انسان کی صوری و معنوی حقیقت کے بارے میں بے شمار فکر انگیز نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

چنانچہ انسانی ثقافت اور تمدّن کے مختلف ڈھانچے انہی افکار و نظریات کے رہینِ منت ہیں۔ البتہ الہامی حقائق نے انسانی معمہ کو حل کرنے میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں انسان کی حقیقت اور آفاقی حیثیت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے۔

انسان قرآن و حدیث کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ”وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ“ (القرآن)

ترجمہ: اور ہم تو اس کی شاہرگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

؎ آواز کسی کی ہے یہ بربط کی نہیں ہے
اس پردے میں پوشیدہ کوئی ماہ جبیں ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کو اپنی ذات سے منسوب فرمایا ہے۔ بموجب نصِ قرآنی: ”فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ - (الحجر-۲۹) اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا "جب میں ٹھیک کروں اسے (آدم کو) اور اپنی رُوح پھونکوں اس میں تو اے فرشتو! تم اس کے آگے سربسجود ہو جانا" بوجب ایک دوسری نص قرآنی: "قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ" (ص-۷۵) ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا "اے ابلیس تجھے کس چیز نے اسے (آدم کو) سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے خود اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا" قرآن مجید میں انسانی فطرت کو فطرت الٰہیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا" (روم-۳۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی فطرت پر انسانی فطرت کو تراشا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے حوالے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ سے موسوم کیا گیا ہے۔ نص قرآنی ہے: "اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" (النساء-۱۷۱) ترجمہ: بے شک حضرت مسیح علیہ السّلام اللہ کے رسول اور اس کے ایک کلمہ ہیں۔ جو مریم کو القا کیا گیا اور اس کی رُوح میں سے ہیں"

قرآن مجید میں ایک مقام پر یوں فرمایا گیا کہ "اگر دُنیا میں فرشتے آباد ہوتے تو اے حبیب ہم آسمان سے فرشتے بحیثیت رسول نازل فرما دیتے۔ نص قرآنی ہے: "قُلْ لَّوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا" (بنی اسرائیل-۹۵)

"قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔" اگر ہم رسول کو فرشتہ بھی بنا کر بھیجتے تو بھی اسے انسانی صورت میں مبعوث فرماتے"

نصِ قرآنی ہے : " وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ " (انعام - ۹)

ترجمہ : اگر ہم اسے فرشتہ بنا دیتے تو پھر بھی اسے انسانی صورت عطا کرتے اور البتہ شبہ ڈالتے ہم اوپر ان کے جو شبہ کرتے ہیں اب "۔

قرآن مجید میں فرشتوں کو " عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ " یعنی اللہ کے مقبول بندے کہا گیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کو بھی " عِبَادُ الرَّحْمٰنِ " کہہ کر پکارا گیا ہے۔

بقول مولانا حالی !

؎ فرشتوں سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

از روئے قرآن مجید تمام ارواح انسانی سے اقرار ربوبیت دُنیا میں بھیجے جانے سے قبل لیا گیا ہے۔ بموجب نصِ قرآنی " اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى " (اعراف - ۱۷۲) تمام ارواح انسانی نے بزبانِ قال اللہ تعالیٰ کی ربوبیّت کا اقرار کیا۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ انسان کا سفر دُنیا میں آنے سے بہت پہلے شروع ہو چکا ہے۔ اور صرف کائنات ارضی ہی اس کا اوڑھنا بچھونا نہیں ہے۔

بموجب ایک حدیث قدسی " اَلْعَبْدُ سِرِّیْ وَاَنَا سِرُّهٗ " اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بندہ میرا بھید ہے اور میں بندے کا بھید ہوں۔ ایک دوسری حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے " کہ جب ایک بندہ میرے قریب ہو جاتا ہے تو میں خود اس کے ہاتھ پاؤں آنکھ اور کان وغیرہ بن جاتا ہوں۔ وہ بندہ پھر میری آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ میرے پاؤں سے چلتا ہے۔ میرے کانوں سے سنتا ہے اور میرے ہاتھوں سے کام لیتا ہے۔

سرکار دو عالم کے حوالے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ عَبْدُہٗ کی حیثیت پوری کائنات میں منفرد اور ممتاز ہے۔ عبدہ درحقیقت ظلِ الٰہی ہے بقول مولانا رومی :

لی مع اللہ شان خود فرمودہ
من ندانم بندہ یا حق تو ئی

ترجمہ : اے حبیب آپ نے اپنی شان میں " لِیْ مَعَ اللّٰہِ " فرمایا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ آپ بندہ حق ہیں یا خود ہی حق ہیں۔ بموجب آیت مقدسہ " هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا " (البقرہ ۲۹) جو کچھ زمین میں ہے انسان کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمام انسانوں سے اقرار ربوبیت عالم ارواح میں لیا گیا ہے۔ اور عالم دنیا میں ہرگز نہیں لیا گیا۔ اس حقیقت کی مناسبت سے سورۃ الواقعہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ کہ موت کے بعد ہم تمہیں ایک ایسے عالم میں بھیج دیتے ہیں جسے تم بھول چکے ہو اور جس کے بارے میں اب تمہیں کچھ معلوم نہیں ہے" بموجب نص قرآنی " نُنْشِئَكُمْ فِیْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ " (واقعہ - ۶۱) انسان پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں " ہر چند کہ انسان کی موت کے وقت اس کے عزیز واقارب اس کے پاس موجود ہوتے ہیں مگر اس وقت مرنے والے کا تعلق اور قرب ہم سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہم ان کے درمیان میں سے اسے کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ منہ تکتے ہی رہ جاتے ہیں" اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا ہے " کہ ہم اگر چاہیں تو انسانوں میں سے فرشتے پیدا کر دیں" بموجب نص قرآنی

"لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (التین - ۴)۔
اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "بے شک ہم نے انسان کو بہترین صورت میں تخلیق کیا ہے" سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" (بخاری و مسلم شریف) بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صُورت پر تخلیق فرمایا۔ بموجب ایک اور حدیث مُبارکہ:
"قَلْبُ الْاِنْسَانِ مِرْآۃُ الرَّحْمٰنِ" یعنی قلب انسانی آئینہ رحمانی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس آئینہ میں اللہ تعالیٰ خود اُپنے حسن وجمال کا ملاحظہ فرماتے ہیں۔ از روئے قرآن مجید سینۂ آدم میں کائنات کے تمام علوم بھر دیئے گئے ہیں۔ نصوص قرآنی "وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (البقرہ-۳۱) اور "وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ آدَمَ" اسی فضیلت انسانی کی ترجمان آیات ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جسدِ آدم میں ایک مضغہ ہے۔ مضغہ میں قلب ہے۔ قلب میں فواد ہے۔ فواد میں ضمیر ہے۔ ضمیر میں سِرّ ہے اور سِر میں اللہ تعالیٰ خود موجود ہے۔ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "کہ میں وہ خدا ہوں کہ جو ارادہ کرتا ہوں پُورا ہو جاتا ہے۔ اے انسان میں تجھے اس مقام پہ فائز دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو بھی جو ارادہ کرے پُورا ہو جائے۔

اے بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اِنسان صُوفیائے کرام کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوفیائے کرام کی نظر میں اِنسان بلحاظ وجود حق کا عین اور بلحاظ تعیّن اس کا غیر ہے۔ مگر اس کی یہ غیریت اعتباری اور اضافی ہے۔ بادی النظر میں انسان ایک چھوٹا سا جسم ہے۔ مگر فی الحقیقت اس میں عالم امر اور عالم خلق دونوں ہی موجود ہیں۔ سچ پوچھیئے تو اِنسان میں خود اللہ تعالےٰ کی رُوح موجود ہے۔

بقول ایک بزرگ:

توئی جان جملہ دو عالمے
ہر دو عالم خود توئی بنگرے

ہر چہ موجود است در عالم توئی
وآنچہ تو جویائی آنی ہم توئی

ترجمہ: اے انسان تو دونوں عالم کی جان ہے۔ بلکہ ہر دو عالم تو خود ہے کاش تو غور کرتا۔ جو کچھ عالم میں موجود ہے تو خود ہے۔ اور جس کو تو ڈھونڈ رہا ہے وہ بھی تو خود ہے۔

انسان ایک ایسی ہستی ہے۔ جسے ملائکہ سجدہ کریں۔ حتیٰ کہ زمین پر اُترتے وقت وہ بھی انسانی ہیئت اختیار کرتے ہیں۔ تمام انبیائے کرام انسانی شکل وصُورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ جنّت میں خالق کائنات سے ملاقات بھی اِنسانی روپ میں ہوگی۔ اِنسانی تجربات کی کوئی حد نہیں۔ منصور کا دعویٰ انا الحق انسانی عظمت کا بے باک تحقق اور اِدّعا تھا۔ انسان کامل کا دِل بالفعل خدا تعالےٰ کا آئینہ ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس

راز سے پردہ اٹھائے گا تو منصور حلاّج والا معاملہ ہوگا اور قصّہ دار و رسن پھر چھڑ جائے گا۔

مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ انسان کا ظاہر کمزور ہے مگر اس کا باطن بہت مضبوط ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ
باطنش آمد محیط ہفت چرخ

ترجمہ: انسان کے خاکی جسم کو ایک حقیر مچھر پریشان کر دیتا ہے۔ مگر انسان کا مضبوط اور بیدار باطن سات آسمانوں پر محیط ہے۔ بقول علامہ اقبال انسان خود ہی کائنات میں سب کچھ ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی
کہ او پیدا است تو زیر نقابی
تلاشِ او کنی جز خود نیابی
تلاشِ خود کنی جز او نیابی

ترجمہ: اے انسان تو کسے تلاش کر رہا ہے؟ اور کیوں پریشان ہو رہا ہے۔ وہ تو ظاہر ہے مگر تو خود زیرِ نقاب ہے۔ اگر تو اس کو تلاش کرے گا تو خود کو پائے گا اور اگر خود کو تلاش کرے گا تو اسے پائے گا۔

اگر انسان پہ اس کی باطنی حقیقت منکشف ہو جائے تو پھر اسے معلوم ہو کہ اس کی امکانی حیثیت کیا ہے۔

بقول حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی غفلت کا پردہ اُٹھنے کی دیر ہے انسان پکار اُٹھے کہ تمام کائنات میں سوائے اس کی ذات کے اور کس کی حکومت ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ انسانی نفس کی چار حالتیں ہیں۔ نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ اور نفس مطمئنہّ۔ بلحاظ اعمال انسان تین گروہوں میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔

ایک مقربین کا گروہ ہے دوسرا اصحاب یمین کا اور تیسرا اصحاب مشئمہ کا۔ عبد کے چار اطوار ہیں: فقر، امانت، خلافت اور ولایت۔ انسان تین خاص منازل سے گزر کر دولت وصال سے مالامال ہو سکتا ہے۔ یہ تین منازل آرزو، جستجو اور دیدار الٰہی ہیں۔ محدود جب لامحدود میں محو ہو جاتا ہے تو اس کا یہی عمل وصلِ ذات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ایک بزرگ کے قول کے مطابق خدا تعالیٰ اور بندہ ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

؎ او در من و من در وے ہجران کہ وصال است ایں
اے عقل چہ می گوئی اے عشق چہ می فرمائی

ترجمہ: وُہ مجھ میں ہے اور میں اس میں ہوں۔ کیا یہ ہجر ہے یا وصال۔ اے عقل تو کیا کہتی ہے۔ اے عشق تیرا کیا فرمان ہے۔

سچ بات تو یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالےٰ کے بغیر اور اللہ تعالےٰ کو بندے کے بغیر قرار نہیں۔ بقول علامہ محمد اقبال:

؎ نہ مارا در فراق او عیارے
نہ اورا بے وصال ما قرارے

ترجمہ: نہ ہمیں اس کی جُدائی میں سکون ہے اور نہ اسے ہماری فرقت میں قرار ہے۔ حضرت اقبال انسانی عظمت کا نقشہ ایک دوسرے مقام پر یوں پیش کرتے ہیں کہ:

؎ مکانی ہوں کہ آزاد مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وُہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں

ایک ایرانی شاعر مغربیؔ کے خیال میں انسان فی الحقیقت ذاتِ حق کا جامِ جہاں نما ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

؎ ما جام جہاں نمائے ذاتیم
ما مظہر جملہ صفاتیم
برتر از مکان و در مکانیم
بیروں ز جہات و در جہاتیم

ترجمہ: ہم ذاتِ حق کے جامِ جہاں نما ہیں۔ ہم اس کی جملہ صفات کے مظہر ہیں۔ ہم مکان سے برتر ہیں۔ مگر بظاہر قیدِ مکانی سے دوچار ہیں۔ ہم جہات سے باہر ہیں مگر جہات میں مصلحتاً مقید ہیں۔

حضرت شمس تبریزؒ فرماتے ہیں کہ:

عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام برخود
چوں خود خود را نظر کردم ندیدم جز خدا در خود

ترجمہ: مجھ شمس تبریزؒ کا بھی عجب حال ہے۔ کہ میں اپنے آپ کا عاشق ہو چکا ہوں کیونکہ جب میں نے خود کو بغور دیکھا تو مجھے ماسوائے ذاتِ حق کچھ اور دکھائی نہیں دیا۔

شعور برتر زمان و مکان کی حدود سے بلند تر شے ہے۔ وہ خیال، تصور اور فرشتوں کی تخلیق پر قادر ہے۔ انسانی شعور پر روح کی حکمرانی ہے۔

رُوحِ انسانی رُوحِ کُل سے وابستہ ہے۔ بلکہ رُوحِ کُل کا حِصّہ ہے۔ بادی النظر میں نطق ایک معمولی چیز ہے۔ مگر اس کا منبع تلاش کیجئے۔ آپ کو ایک ایسا مقام ملے گا جہاں کلام میں الفاظ نہیں ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اپنی صفتِ جمال سے تجلّی فرماتے ہیں تو اس بندے کا وجود اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ تمام کائنات میں نہیں سما سکتا۔

بقول اقبال:

؎ آنچہ در آدم بہ گنجد عالم است
وآنچہ در عالم نہ گنجد آدم است

ترجمہ: جو چیز سینۂ آدم میں سما جائے اس کا نام عالم ہے۔ مگر جو ہستی تمام کائنات میں نہ سما سکے اس کا نام آدم ہے۔

گویا آدم کی سمائی تمام کائنات میں نہیں ہو سکتی۔ انسان درحقیقت رُوح اور بدن دونوں سے برتر ہستی ہے۔ ہر چند کہ رُوح بھی انسان کی ایک شکل ہے مگر وُہ انسان ہرگز نہیں۔

بقول اِقبال:

؎ طلسم بود و عدم جِس کا نام ہے آدم
خدا کا راز ہے قادر نہیں ہے جس پہ سخن
اگر نہ ہو تجھے اُلجھن تو کھول کر کہہ دوں
وجودِ حضرتِ انساں نہ رُوح ہے نہ بدن

بہ الفاظِ دیگر انسان ہستی مطلق کی تحدید کا نام ہے۔ خدا نے آدم کے اندر قدسی انوار کا پَرتو ڈالا ہے اور اسے اپنی تجلیات کے جذب کرنے کے قابل بنایا ہے۔ مگر اِنسان ہے کہ خودشناسی کا بار نہ اٹھا سکا اور ظلوماً جہولاً ٹھہرا۔

حضرت بایزید بسطامی کا قول ہے کہ :

" خداوندا ! ایں چہ بوالعجبی است کہ با دوستانِ خود میکنی، وقتیکہ ترامی جویم خود را بینم و وقتیکہ خود را جویم ترامی بینم "

ترجمہ : اے خدا یہ کیا عجب معاملہ ہے جو تو اپنے دوستوں سے روا رکھے ہوئے ہے۔ جب میں تجھے تلاش کرتا ہوں تو خود کو پاتا ہوں اور جب خود کو تلاش کرتا ہوں تو تجھے پا لیتا ہوں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ برگزیدہ ہستیوں کے ظاہر ہونے سے خود خدا تعالےٰ ظاہر ہوتا ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ نفس کلیہ جو ہر اور عرض ہر دو پر مشتمل ہے مگر حقیقت فی نفسہ ایک ہے۔ جب حقیقت اپنے وجود کے اصل لباس میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام جوہر ہے۔ مگر جب وہ دوسرے لباس میں جلوہ نما ہوتی ہے تو اسے عرض کہتے ہیں۔ نفس کلیہ کا صدور ذاتِ حق تعالےٰ سے ہوا اور بطریق ابداع ہوا۔ مُبدِع اور مُبدَع میں نسبت کیسی - یہ بات عقل کی حد سے باہر ہے۔ یہ کائنات اپنی تفصیل کے اعتبار سے سالمات کی غیر شعوری حرکت سے لے کر انائے انسانی کی بالارادہ حرکت تک انائے کبیر حق کا جلوہ ذات ہے۔

مراتب تنزلات ذات ملاحظہ ہوں :

(۱) حقیقت مطلق ـــــ ذات احدیت

(۲) تنزل دوئم ـــــ ذات وحدیت۔ تعینات۔ انواع عالم۔ حقیقت انسانی۔ حقائق ممکنات۔

(۳) تنزل سوئم ـــــ رُوح

(۴) تنزل چہارم ـــــ تعین جسدی۔ عالم ناسوت۔

(۵) تنزل پنجم ـــــ عالم شہادت۔

اوّل فیاضِ مطلق کا فیض ہے۔ پہلے یہ فیض عالم ارواح میں پہنچتا ہے۔ پھر عالم مثال میں پھر عالم حس وشہادت یعنی مادی اجساد میں۔ جان لینا چاہیئے کہ انسان بظاہر جسم اور روح ہر دو سے عبارت ہے۔ انسانی جسم گوشت پوست اور ہڈیوں پر مشتمل ہے، اس میں ایک حیوانی روح ہے۔ جو بذریعہ خون پورے جسم میں جاری وساری ہے۔ مگر انسان میں ایک لطیف روح بھی ہے جو آسمانی مخلوق ہے، وہی روح امر ربّی ہے۔

سچ پوچھیے تو انسان آئینہ عالم کے لئے جلا کا کام دیتا ہے۔ فرشتے حضرت انسان کے کمالات صوری ومعنوی سے بے خبر ہیں۔ انسان جامع صفات الٰہیہ ہے، اس میں تمام کائنات پر حاوی ہونے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس میں مرتبہ احدیت کی بے رنگی اور تنزیہہ بھی پوشیدہ ہے۔ اس میں خلقت عنصری کے لوازمات بھی پائے جاتے ہیں انسان کے تجلّی گاہ ذات کبریا ہونے کو نظر وفکر سے نہیں پہچانا جاسکتا۔ اس حقیقت کا ادراک صرف کشف والہام سے ہوسکتا ہے۔ بقول خواجہ میر درد:

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ جہاں تو سما سکے
قاصد نہیں یہ کام تیرا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

انسان خدا کی آنکھ کی پتلی ہے۔ مقصود تخلیق کائنات صرف انسان ہے۔ انسان اسمائے حق تعالےٰ کا مظہر تام ہے۔ آدمی میں یہ اہلیت ہے کہ وہ اپنی ذات سے ماورا ہوسکتا ہے۔ اسی فضیلت کی

بنا پر انسان کو فرشتوں پر شرف حاصل ہے۔

؎ یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

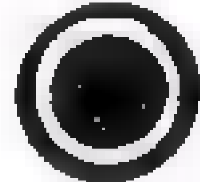
صوفیائے کرام کے نزدیک سلسلہ ارتقا جاری ہے۔ جمادات تحلیل ہو کر نباتات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں جبکہ نباتات حیوانات کی خوراک بن کر ان میں جذب ہو جاتے ہیں۔ البتہ حیوانات اور نباتات دونوں ہی انسان کی غذا بن کر اس کا جزو بدن بن جاتے ہیں۔ یہ فطری اصول کائنات میں جاری و ساری ہے۔ انسان بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ ارتقائے انسانی کی انتہا یہ ہے کہ وہ عشق حقیقی کے ذریعے ذات حق میں محو ہو جائے۔

آدم سے مراد وہ نفس واحدہ ہے جس سے تمام نوع انسانی پیدا ہوئی ہے۔ وہ حقیقت محمدی ہے۔ خدا تعالےٰ نے آدم یا حقیقت محمدی کو ان تمام اسرار کا علم عطا فرما دیا ہے جو اسرار اسے ودیعت کئے گئے ہیں۔ یہ اعتبار خارج انسان حادث ہے۔ مگر یہ اعتبار علم الٰہی وہ ازلی ابدی اور آفاقی حیثیت رکھتا ہے۔ خلقت عنصری کی وجہ سے انسان خود بھول میں پڑ کر اپنے مقام سے بے خبر ہو گیا ہے۔ ورنہ قرب الٰہی سے انسان دُور نہیں۔ لازم ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کا ادب سیکھے۔ ممکن (انسان) ذات واجب کی صورت پر ظاہر ہوا ہے۔ لہٰذا جو صفات واجب الوجوب میں پائی جاتی ہیں وہ ممکن الوجوب یعنی انسان میں بھی موجود ہوں گی۔ مگر اس کا یہ وجوب ذاتی نہ ہوگا بلکہ عطائی ہوگا۔ خدا تعالےٰ نے ہماری تفہیم کے لئے خود کو انسانی صفات سے متصف کیا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ:
" یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ " یعنی اللہ تعالےٰ کا ہاتھ ان کے

ہاتھ پر ہے۔ انسان کو خلیفۃ الارض بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اگر خلیفہ کے پاس وہ تمام لوازمات نہ ہوں جن کی رعایا کو ضرورت ہوتی ہے تو وہ خلیفہ ہی کیا ہوا۔ تمام رعایا خلیفہ کی طرف رجوع کرتی ہے اور وہ ان کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ خود انسان کامل کی بصارت اور سماعت بن جاتا ہے واجب اور ممکن ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ ان میں انفصال ممکن نہیں انسان کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت خلق کی طرف ہے اور دوسری جہت حق کی طرف۔ انسانی جسم کا تعلق خلق سے ہے۔ جبکہ اس کی رُوح کا تعلق حق تعالےٰ سے ہے۔ انسان ادھر بندوں میں شامل اور ادھر اللہ تعالےٰ سے واصل ہوتا ہے۔ غرضیکہ انسانی صفات احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔

بقول اقبالؔ :

میں حُسن ہوں کہ عشق سراپا گداز ہوں
کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں



حقیقتِ رُوح

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا " (بنی اسرائیل-۸۵)

ترجمہ: اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ رُوح میرے ربّ کا امر ہے۔ اور تمہیں اس کے بارے میں قلیل علم دیا گیا ہے۔

روح کیا چیز ہے۔ جان لینا چاہیے کہ رُوح اللہ کا امر ہے۔ وُہ اپنے عمل سے ظاہر ہے۔ مگر اپنی حقیقت کی رُو سے مضمر ہے۔ وہ تمام مشاہدات کی خالق ہے۔ اس کی لطافت نگاہوں کے گرم مشاہدہ کی تاب نہیں لا سکتی۔ روح انسانی عالم خلق میں سے نہیں۔ بلکہ عالم امر کی ایک پُراسرار شے ہے۔

روح کی حقیقت کے بارے میں مفکرّین میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ تاہم روح کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے اور عام آدمی کو اس کا ادراک نہیں ہو سکتا۔ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ سچ پوچھیے تو روح کی حقیقت خود اللہ تعالیٰ ہے۔ رُوح ایک وجود بسیط ہے جس کی کوئی صُورت نہیں مگر وُہ جس صُورت میں چاہتی ہے نمودار ہو جاتی ہے۔ روح اپنا ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور محض خیالی شے نہیں ہے۔

جس طرح آنکھ دیکھنے اور کان سننے کا محل ہیں۔ اسی طرح روح اوصاف حمیدہ کا محل ہے۔ روح بہشتی پاکیزہ نسیم ہے جس پہ زندگی کا مدار ہے۔ رُوح

ایک لطیف شے ہے جس کا مقام انسانی قلب ہے۔ اس سے محمودہ صفات کا صدور ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ نفس بھی ایک شے لطیف ہے جو انسانی قالب میں موجود ہے۔ اس سے صفات مذموم کا صدور ہوتا ہے۔ تاہم روح اور قلب کی ترقی کے ساتھ نفس بھی ترقی کرتا ہے۔ روح اتنی لطیف ہے کہ حس و لمس سے بالاتر ہے۔ اس کا وجود خاکی جسم سے پہلے کا ہے۔ روح ایک لطیف جوہر ہے جو کثیف شے میں مقید ہے۔ عرش کے سوا روح سے بڑھکر کوئی عظیم شے پیدا نہیں کی گئی۔ تاہم روح اس قدر عظیم ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کو ایک لقمہ بنا کر نگل سکتی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ ارواح کو اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ رُوح کا چہرہ آدمیوں کے چہروں جیسا ہے۔ ہر چند کہ روح ایک لطیف جوہر ہے۔ مگر وہ آدمی کے خاکی جسم میں اسی طرح جاری و ساری ہے جس طرح سبز شاخوں میں پانی کا نفوذ۔

ارواح کو فراق کیسے ہوا؟ یہ راز ابھی تک راز ہی ہے۔ البتہ رُوح کی جلوہ گاہیں بے شمار ہیں۔ حیات انسانی فی الواقع ذوق سفر کا نام ہے۔ اللہ تعالےٰ ارواح کو اجساد میں بطور امانت اتارتا ہے۔ کارزار حیات میں تنزلات خمسہ کے اعتبار سے عالم جمادات روح کا آخری درجہ تنزل ہے۔ مادہ بھی روح کی ادنیٰ شکل ہے جو بقید زمانی و مکانی اپنا تحقق کر رہی ہے۔ بموجب ایک حدیث مبارکہ روح کا عروج اور ہبوط جاری رہتا ہے۔ بعض ارواح سعیدہ عالم برزخ میں گشت کر سکتی ہیں۔ حتیٰ کہ لوح محفوظ اور سدرۃ المنتہیٰ ایسے مقامات بھی ان سے دُور نہیں۔ بموجب ایک اور حدیث مبارکہ بندہ مومن کی روح رات کا وقت عرش عظیم کے نیچے گزارتی ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردی کا قول ہے کہ انسان کے خاکی جسم میں دو

روحیں کارفرما ہیں۔ ایک روح علوی ہے جس کا تعلق امر ربی سے ہے۔ مگر انسان میں ایک اور روح بھی ہے جو روح حیوانی کہلاتی ہے۔ اس کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ روح حیوانی درحقیقت روح علوی کا محل اور مورد ہے۔ روح حیوانی بھی ایک لطیف جسم ہے، جو قوت اور حس و حرکت سے بہرہ ور ہے۔ وہ قلب سے اٹھتی ہے اور رگوں کے جوف سے پھڑکتی ہوئی گزرتی ہے۔ جملہ حیوانات میں وہی روح کارفرما ہے۔ تمام حواس کا اسی پر قیام ہے۔ قانون فطرت کے مطابق حیوانی روح اخلاط اربعہ کے مزاج کو اعتدال پر رکھتی ہے۔

جب حیوانی روح میں علوی روح حلول کرتی ہے تو اس وقت حیوانی روح اس کی ہم جنس بن کر نطق و الہام کا محل بن جاتی ہے۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے:

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا"

(الشمس، ۷-۸) یعنی اس نفس کی قسم اور اس کی جس نے اسے ہموار کیا اور اس کو بدی اور نیکی کی تعلیم دی۔ گویا اللہ تعالےٰ نے نفس کو اس طرح مساوی اور ہموار کیا ہے کہ اُسے رُوح علوی کا مورد بنا دیا ہے اور تمام حیوانی ارواح کی جنس سے اسے الگ کر دیا ہے۔ نفس کی تکوین روح علوی کے باعث ہوئی ہے۔ وہ نفس جس کا تسویہ کیا گیا ہے در اصل روح علوی کے ملاپ سے وجود پذیر ہوا ہے۔ اس کے بعد روح علوی اور روح حیوانی میں محبت کا تعلق اس طرح بڑھا جس طرح حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کے درمیان یہ تعلق استوار ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ روح حیوانی اور روح علوی میں جدائی آدمی کی موت کا سبب بنی۔

جس طرح حضرت حوا علیہا السلام سے حضرت آدم علیہ السلام کو سکینت اور طمانیت ملی اسی طرح روح علویہ سے روح حیوانیہ کو تسکین حاصل ہوئی۔

چنانچہ دونوں ارواح ایک دوسرے سے مانوس ہو کر نفس بن گئیں اور ان کے باہمی اُنس کے نتیجے میں قلب پیدا ہوا۔

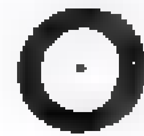
قلب وہ لطیفہ ہے جس کا محل و مقام وہی مضغہ گوشت ہے جس کا تعلق عالم خلق سے ہے۔ البتہ وہ لطیفہ جو اِس محل میں بطور حال قائم ہے عالم امر سے تعلق رکھتا ہے۔ بقول ایک شاعر:

دل نہ جسم است نہ جسمانی است
دل محض قوتِ رُوحانی است

ترجمہ: دل نہ جسم ہے نہ جسم سے اس کا تعلق ہے۔ دِل محض قوت رُوحانی کا نام ہے۔

دونوں ارواح کے امتزاج سے عالم امر میں قلب کی تخلیق اسی طرح ہوئی جس طرح عالم خلق میں حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السّلام کے ملاپ سے ان کی اولاد کی پیدائش۔ اگر روح علوی اور روح حیوانی میں باہم تسکین کی صلاحیت نہ ہوتی تو قلب کی آفرینش ہرگز نہ ہوتی۔

تاہم یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو جسدِ خاکی کے علاوہ جسد روحانی بھی عطا فرمایا ہے۔ روح متحرک بحالت خواب اسی روحانی قالب کو ایک جگہ سے اٹھا کر سیر و طیر کراتی ہے۔ اس روحانی جسم کو خواب یا بیداری کسی حالت میں بھی قرار نہیں۔ البتہ جہالت اور گناہ انسانی روح کی شقاوت کا باعث بنتے ہیں اور اس کی بلند پروازی میں حائل ہوتے ہیں۔



انسان غیر اسلامی تصوّرات کی روشنی میں

کہا منصور نے خدا ہوں میں
ڈاردن بولا بوزنہ ہوں میں
ہنس کر کہنے لگے میرے اک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمّت اوست

غیر مسلم حکماء نے اِنسان کی تلاش میں اُپنے راہوارِ فکر کو خوب مہمیز لگائی ہے مگر

ع "ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں"

کے مصداق وُہ اُپنے افکار کے خم دپیچ میں الجھ کر رہ گئے ہیں اور ہنوز حقیقت کو نہیں پا سکے۔

بقول ایک شاعر:

انکشاف رازِ ہستی عقل کی حد میں نہیں
فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے

الہامی راہنمائی سے بے بہرہ اقوام کی نظر میں اِنسان اصلاً ایک حیوان ہے۔ جبلی طور پر اس کے بھی کچھ تقاضے اور خواہشات ہیں۔ البتہ عام حیوانوں کی نسبت وہ بہتر مخلوق ہے اور خاص صوری و معنوی حسن سے مزّین ہے۔ تحقیق و تخلیق پر بھی اسے قدرت حاصل ہے۔ تاہم موت کے ساتھ ہی وہ معدوم ہو جاتا ہے۔ برطانوی فلسفی ڈارون نے ۱۸۵۹ء میں اپنا نظریہ ارتقاء پیش کیا۔ اس کے خیال میں اِنسان فی الواقع ایک حیوان ہے۔ اس کی ابتداء

حیوانی زندگی کی طرح ایک ہی نوع سے ہوئی ہے۔ مگر انسان نے اپنی موجودہ شکل ایک تاریخی ارتقاء کے نتیجہ میں حاصل کی ہے۔

سترھویں صدی کے ماہر حیاتیات بائیڈن کی نظر میں انسان چند نامیاتی مرکبات سے عبارت ہے۔ ان مرکبات میں ایک لطیف امتزاج پایا جاتا ہے۔ جب اس امتزاج میں بگاڑ واقع ہو جاتا ہے تو وہ مر جاتا ہے البتہ موت کے بعد انسان دوبارہ سالماتی نظام میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

ماہرین نفسیات تھارن ڈائیک اور فرائیڈ وغیرہ کی دانست میں انسان معنی خیز فکری نظام کی حامل ہستی ہے۔

مشہور فلسفی برگسان کے نزدیک انسان ایک باشعور وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔ شوپنہار انسان کو "مابعد الطبیعاتی جانور" کا نام دیتا ہے۔ اس کے تصور میں انسانی جسم اس کے ارادے کی پیداوار ہے۔ سنسکرت کی ایک قدیم تصنیف "بھگوت گیتا" میں درج ہے کہ انسانی روح نہ پیدا ہوتی ہے نہ مرتی ہے۔ وہ سدا رہنے والی قدیمی ہے۔ جسم کے فنا ہونے پر روح کا فنا نہیں ہوتا۔ جیسے آدمی پرانے کپڑے اُتار کر نئے کپڑے پہن لیتا ہے۔ ویسے ہی روح کمزور اور پُرانے جسم کو چھوڑ کر نئے جسم کو حاصل کر لیتی ہے۔

اس آتما یا روح کو اوزار کاٹ نہیں سکتے۔ آگ جلا نہیں سکتی۔ پانی گلا نہیں سکتا اور ہوا سکھا نہیں سکتی۔ پیدا ہونے والوں کو موت اور مرنے والوں کے لئے پیدائش لازم و ملزوم ہے۔ اس لئے جو لازمی ہے اس کا افسوس کرنا مناسب نہیں۔

گوتم بدھ کی تعلیمات پر مشتمل کتاب "دھما پد" میں منقول ہے کہ

تمہاری زندگی کے درخت پر زرد پتے لٹک رہے ہیں۔ موت کا قاصد انتظار میں ہے۔ تمہیں دُور دراز کا سفر طے کرنا ہے۔ کیا اس طویل مسافت کے لئے تمہارے پاس زادِ راہ موجود ہے؟ ہندو علماء جہانِ دُنیا ہی کو سب کچھ خیال کرتے ہیں۔ اُن کی نظر میں اس سے آگے کوئی اور جہان نہیں۔ سِفلی مخلوق کی طرح اِنسان بھی ایک خودرو حیوانی وحدت ہے۔ وہ اُپنے عروج کو پہنچکر پھر زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اعضائے رئیسہ کے تعطل پر بھی موت اسے دبوچ لیتی ہے۔ تاہم اُپنے عرصہ حیات میں چند فکری سیاسی اور مادی خدمات سرانجام دے کر انسان صفحہ ہستی سے ناپید ہو جاتا ہے۔ البتہ مسئلہ تناسخ کی رُو سے وہ دوبارہ کسی حیوانی رُوپ میں دُنیا میں جنم لے لیتا ہے۔

اشتراکی اقوام کے گمان میں انسان کی کہانی صرف کائناتِ ارضی تک محدود ہے۔ ان کے خیال میں عقیدہ آخرت کی کوئی حقیقت نہیں۔

بعض وحشی قبائل ہنوز جنگل کے قانون میں گرفتار ہیں، چنانچہ حیوانات کی مثل ذہنی پستی اور درندگی ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

یُونانی حکیم ارسطو کے خیال میں انسان ایک غیبی طاقت "سائیکی" کا مظہر ہے۔ جب اِنسانی جسم سے "سائیکی" نکل جاتی ہے تو وہ مرجاتا ہے غرضیکہ انسان کی تخلیق کا کوئی آفاقی مقصد غیر مسلم اقوام کے پیشِ نظر نہیں۔ ان کی تمام تر توجہ مادی امور تک مرتکز ہے۔ بزمِ کائنات کا صحیح پس منظر بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہے۔ تاہم معاشرہ کو انسانی فطرت سے ہم آہنگ کرنے کے لئے چند سیاسی اخلاقی اور سماجی اقدار اور اصول وضع کئے گئے ہیں۔ مگر مصلحت وقت کے تحت انہیں بھی پامال کرنے میں تامل

نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی معاشرہ انتشار اور بے چینی کا شکار ہے۔

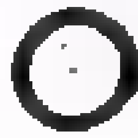
تسخیرِ کائنات کے نشہ میں سرشار دورِ حاضر کا انسان بجا طور پر سائنسی ایجادات پر فخر کر سکتا ہے۔ مگر اس کی تمام تگ و تاز کے پیچھے کوئی آفاقی مقصد کارفرما دکھائی نہیں دیتا اور اس کی فکری پرواز کائناتِ ارضی تک سمٹ کر رہ گئی ہے۔ بدیں جہت موت کے بارے میں بھی اس کا نظریہ محدود ہے۔ بقول ایک شاعر

فکرِ معاش عشقِ بتاں یادِ رفتگاں
دو دن کی زندگی میں کیا کیا کرے کوئی

ہر چند کہ انسانی شعور پر تحقیق جاری ہے۔ مگر اس کی امکانی صلاحیتوں کا مکمل ادراک نہیں ہو سکا۔ عام تجزیہ کے مطابق وہ ہنوز اپنے فکری محاسن کے قلیل حصّہ کو اپنے مصرف میں لا سکا ہے۔ تاہم بقول ایک شاعر:

سُنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سُنی
نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

یہ ستم ظریفی بھی دیدنی ہے کہ انسان اپنی ابتداء اور انتہا سے بالکل بے بہرہ ہے۔



سیلِ زمانہ

لمحۂ فکریہ

اے سیلِ زمانہ! تُو بہے جا بہائے لئے جا۔ نہ تجھ میں سلامتی نہ تیرے کنارے سلامتی۔ مٹے ہوؤں کے نشان مٹائے جا، تیراکوں کو ڈبا غوّاصوں کو نہ اُبھار۔ یہی تیرا کام ہے۔

تجھ میں جو خوش نما ہرے بھرے جزیرے نظر آتے ہیں جو پھُولوں اور پھلوں سے مالا مال ہیں، جن میں خوبصورت پرندے چہچہا رہے ہیں کیا یہی لذائذِ حیات ہیں؟ وہ حسین اور سحرکار عورتیں جو ہاتھ میں ستار لئے ہوئے دلربا گانے گا رہی ہیں کیا یہی جوانی کی اُمنگیں ہیں؟ آہ! مجھے اس جزیرے کو دیکھنے دے، ان دیویوں سے ان پریوں سے تو ملنے دے، ان کے گانے سے اپنے دل کو راحت تو پہنچانے دے۔ مگر تو کس کی سُنتا ہے، تو نے کسی اور تنکے کی سُنی ہے جو میری سُنے گا۔ اچھا! لے تجھے یہی قسم ہے، بہائے لئے جا بھگائے لئے جا۔ ذرا نہ ٹھہر۔

مگر یہ تو بتا دے تو مجھے کہاں سے لا رہا ہے۔ کب سے لا رہا ہے۔ کیوں لا رہا ہے۔ کب تک بہائے گا۔

یہ کیا؟ کیا اور تیزی سے بہنا، بھنور میں پڑنا، طوفان کا اُٹھنا موجوں کا مجھے تھپیڑے مارنا میرے سوالوں کا جواب ہے؟ تجھے میرے سوالوں سے غصّہ آگیا؟ مَیں نے بے اَدبی کی؟ اچھا! اچھا! جواب نہ دے

بہے جا بہائے جا۔

میری رُوح متجسس، دُزدیدہ نظروں سے اِدھر ادھر دیکھتی ہے نینوا، بابل، قدیم ہند، قدیم مصر کے ٹکڑے تجھ میں نظر آتے ہیں۔ واعظ کہتا ہے "باطل باطل سب باطل ہے۔"

"سکندر، ہنیبال، نوشیرواں، دارا" تیری موجوں سے کبھی کبھی ان کی آوازوں سے ملتی جلتی آوازیں آتی ہیں۔ کیا شہرت رفتگاں یہی ہے؟ فلاسفر کہتا ہے "دھوکا، دھوکا، سب دھوکا ہے، شہرت دھوکا ہے، نام و نمود دھوکا ہے، خود زندگی دھوکا ہے۔"

لیکن نہیں، میں نہ حال سابقہ کو باطل نہ شہرت رفتگاں کو دھوکا سمجھتا ہوں۔ ان کی شہرت ہمّت بڑھاتی ہے۔ لیکن یہ خیال کر کے کہ کیا ہوں میں اور کیا ہے میری ہمت ہست و بود، دل بیٹھ جاتا ہے۔

اس لئے بہتر یہی ہے کہ لاتعداد خس و خاشاک کی طرح جو مجھ سے پہلے آئے اور بعد میں آئیں گے بہے جاؤں۔

پس اے سیلِ زمانہ۔ بہے جا، بہاتے لئے جا اور اس بحر ناپیدا کنار میں اس عمّانِ عظیم الشّان میں، اس اوقیانوسِ ابد میں اَب یا جب تیرا دل چاہے گرا دے۔

(ملیدرم)

بہ پرتوِ خیال

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

بُری اور بھلی سب گزر جائے گی
یہ کشتی یونہی پار اُتر جائے گی

ملے گا نہ گلچیں کو گل کا پتہ
ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی

رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا
کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی

اِدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر
یہ بازی تو سو بسوئے ہر جائے گی

نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں نہ ہوں
یونہی عمر ساری گزر جائے گی

فصل دوم

حقیقتِ موت

موت کی تعریف

موت کیا ہے ؟ پیشتر اس کے کہ اس سوال کے جواب میں علماء، صوفیاء اور نکتہ وروں کی آراء کو پیش کیا جائے اس کے متعلق جو کچھ فقیر مؤلف کے ذہن میں القاء ہوا ہے وہ پیش کیا جاتا ہے عین ممکن ہے کہ ان تصریحات کی روشنی میں موت کے بارے میں ایک جامع تصوّر قائم کیا جا سکے۔

۱۔ روح کا انسانی جسم چھوڑ کر عالمِ برزخ میں منتقل ہونا موت کہلاتا ہے۔

۲۔ روح کے انسانی اعضاء و جوارح پر تصرف کے ختم ہونے کا نام موت ہے۔

۳۔ روح اور نفس کی جدائی کا نام موت ہے۔

۴۔ اعضاء و جوارح کے کام چھوڑ دینے کا نام موت ہے۔

۵۔ عناصر میں فطری ظہورِ ترتیب کے اختلال اور اسقاط کا نام موت ہے۔

۶۔ عملِ تنفس کے بند ہو جانے کا نام موت ہے۔

۷۔ اختلاجِ قلب کا نام موت ہے۔ اس صورت میں دورانِ خون بھی رک جاتا ہے اور حرارتِ غریزی ختم ہو جاتی ہے۔

۸۔ اِنسانی جسم کا مکمل طور پر بے حس و حرکت ہو جانا موت کہلاتا ہے۔

۹۔ جسم میں خلیات کے بیکار ہونے کا نام موت ہے۔

۱۰۔ اِنسانی جسم میں وقوع پذیر طبعی اور کیمیائی تبدیلیوں کے تعطل کا نام موت ہے

۱۱۔ پروٹوپلازم یا مادۂ حیات کے اِنسانی جسم سے ختم ہونے کا نام موت ہے۔

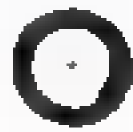
۱۲۔ 'امرِ ربّی' کے انسانی جسم سے واپس لئے جانے کا نام موت ہے۔

۱۳۔ روح حیوانی یا جان کے ختم ہونے کا نام موت ہے۔

۱۴۔ رُوح کے تنگ مکان سے کھلے مکان میں منتقل ہو جانا موت کہلاتا ہے

۱۵۔ موت اِنسانی جسم پر وارد ہوتی ہے جبکہ روح محض منتقل ہوتی ہے۔

؎ کون کہتا ہے کہ موت آئے گی تو مر جاؤں گا
مَیں تو دریا ہوں سمندر میں اُتر جاؤں گا



موت قرآن و حدیث کی روشنی میں

موت یا انتقال روح کا معاملہ چنداں پیچیدہ اور پریشان کن نہیں۔
موت قانون فطرت ہے جس میں بے شمار حکمتیں مضمر ہیں۔ بموجب نص قرآنی :
" وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ۱۶۹)
ترجمہ : اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور اللہ کی طرف سے رزق سے نوازے جاتے ہیں۔ انتقال روح فنا سے ہرگز عبارت نہیں۔ بموجب نص قرآنی: " اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (الروم ۔ ۱۱) ترجمہ: اللہ ہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے۔ وہی اس کو پھر پیدا کرے گا۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے ـــــ موت عالم اجساد سے عالم لطافت میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ انسان کا سفر عالم ارواح سے شروع ہوتا ہے۔ باپ کی صُلب اور ماں کا بطن راستے کے دو اہم مقامات ہیں۔ عالم دُنیا میں کچھ عرصہ قیام کے بعد انسان عالم برزخ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ میدان حشر کا منظر دیکھتے ہوئے بالآخر اُپنے حسب حال مقام کو پالیتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: " اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا يَمُوْتُوْنَ وَيَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰى دَارٍ "
ترجمہ : خبردار ! بے شک اللہ کے ولی مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

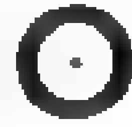
ایک دوسری حدیث کے مطابق مومن کا تحفہ موت ہے۔ اور موت اس کے واسطے خوشبودار پھول یعنی مرغوب شے ہے۔ دُنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے۔ جب مومن کی روح اس کے بدن سے نکلتی ہے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے انسان قید خانے سے نکلا اور زمین پر لوٹ پوٹ ہو کر اپنا بدن درست کرنے لگا۔ بوقت وفات بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ مستزاد یہ کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے بھی اسے سرفراز کیا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو انسان موت کو بُرا جانتا ہے خدا تعالیٰ اس کے اس خیال کو بُرا جانتے ہیں۔ جو راستہ جنّت کی طرف جاتا ہے موت کے پُل پر سے گزرتا ہوا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی انسان کا جنّت میں داخلہ موت کے دروازے سے گزرے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی شہرہ آفاق کتاب 'حجۃ اللہ البالغہ' میں حضرت عبدالقدوس گنگوہی کے حوالے سے ایک حدیث مبارکہ نقل کرتے ہیں کہ جب شب اسریٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بارگاہِ حق تعالیٰ میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے اسی عالم ملکوت میں قیام کرنے کی آرزو کا اظہار فرمایا۔ جواب میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ اے ہمارے حبیب! اب آپ واپس تشریف لے جائیں اور ہمارا خاص پیغام اہل دنیا تک پہنچائیں۔ ہر چند کہ مقام محمود آپ کے لئے مختص ہو چکا ہے۔ مگر آپ پہلے سے متعیّن راستے سے اس مقام پر فائز ہوں گے۔ یعنی پہلے آپ کا جسمانی انتقال ہوگا اور اس کے بعد آپ مقام محمود

پر جلوہ افروز ہوں گے۔

یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ حضرت ادریس اور حضرت عیسٰی بغیر جسمانی انتقال کے آسمانوں پر اعلٰی مقامات پر فائز ہیں۔ ایک حدیث شریف کے مطابق حضرت عیسٰے دنیا میں واپس تشریف لائیں گے۔ یہاں چالیس سال تک قیام کریں گے اور پھر بذریعہ انتقال بارگاہ قدس میں شرف باریابی پائیں گے۔ ان حقائق کے پیش نظر ہمیں ناسوتی اور ملکوتی زندگی میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دیتا۔



نیند اور موت میں معنوی نسبت

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ
مَنَامِھَا ج فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ
الْاُخْرٰٓی اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی" (الزمر - ۴۲)

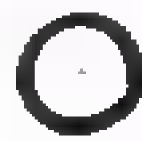
ترجمہ: اللہ قبض کر لیتا ہے جانوں کو نزدیک موت ان کی کے اور جو نہیں موئے قبض کر لیتا ہے ان کو بیچ نیند ان کی کے۔ پس بند کر رکھتا ہے جن کو کہ مقرر کی ہے اوپر ان کے موت اور بھیج دیتا ہے اوروں کو ایک وقت مقرر تک۔

جان لینا چاہیئے کہ نیند اور موت میں خاص معنوی نسبت پائی جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ نیند اور موت دو حقیقی بہنیں ہیں۔ نیند میں سیلانی روح ملکوتی سیر کے بعد جسم کی طرف لوٹ آتی ہے۔ تاہم سیر کے دوران بھی اس کا جسم سے روحانی رشتہ قائم رہتا ہے مگر موت کی صورت میں سیلانی روح جسم کو مستقل طور پر چھوڑ جاتی ہے۔ اس کا جسم سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور وہ بالعموم اس میں واپس نہیں آتی۔

خواب میں بھی کوئی خوبصورت یا روح فرسا منظر انسان کی نظروں کے سامنے ہوتا ہے وہ اس منظر کو دیکھ کر اچھا یا برا تاثر قبول کرتا ہے۔ بعینہٖ موت کے وقت بھی کوئی دلکش یا بھیانک منظر انسان کے پیش نظر

ہوتا ہے ۔ چونکہ موت کی صُورت میں اس کی روح بالعموم بدن میں واپس نہیں آتی ۔ لہٰذا وہ خاص منظر اس کی نگاہوں کے سامنے ہمیشہ موجود رہتا ہے اور روح انسانی اس کا اچھّا یا بُرا تاثر قبول کرتی رہتی ہے ۔ اگر موت کا منظر فرحت زا اور خوبصورت ہوگا تو مرنے والے کے چہرے پر لطافت اور مسکراہٹ کھیلتی نظر آئے گی ۔ اُسے طمانیت اور سکینت کی دولت حاصل ہوگی اور باغ و بہار کی کیفیت ظاہر و باہر ہوگی ۔ لیکن اس کے برعکس بوقت نزع اگر مرنے والے کے سامنے کوئی خوفناک اور مکروہ منظر ہوگا تو اس کی نحوست اس کے چہرے پر بھی ہویدا ہوگی ۔ چہرے کی رنگت سیاہ پڑ جاتے گی ۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی ہوگی ۔ حتیٰ کہ پاس بیٹھنے والے بھی پریشان ہو جائیں گے ۔ بعض اوقات مرنے والے کے منہ سے مکروہ آواز نکل رہی ہوگی ۔ لوگ عجلت میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کریں گے ۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ ۔

؎ وائے ناکامی وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا



دُنیا ایک آزمائش گاہ ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ○" (عنکبوت۔ ۲)

ترجمہ: کیا گمان کیا ہے لوگوں نے یہ کہ چھوڑے جاویں اتنے ہی پر کہ منہ سے کہہ لیویں کہ ایمان لائے اور وہ نہ آزمائے جاویں۔

جان لینا چاہیئے کہ جہان دنیا ایک آزمائش گاہ ہے۔ یہاں انسان احکامات خداوندی کی روشنی میں زندگی گزارنے کا مکلف ہے بموجب نص قرآنی:

"اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّاَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○" (النور۔ ۱۱۵)

انسان کی تخلیق عبث نہیں لہذا اسے زندگی سے مفر نہیں، آیت مقدسہ "وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا" (آل عمران۔ ۱۴۵) کے مطابق انسان اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔ تاہم مسائل زندگی کا سامنا بڑے حوصلے دانشمندی اور صبر سے کرنے کی ضرورت ہے۔ دُنیاوی ترغیبات نے انسان کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ بقول ایک شاعر:

تمناؤں میں الجھایا گیا ہوں
کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں
میری مجبوریوں کو کون جانے
میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں

بموجب نص قرآنی: "اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔" (تغابن ۱۵)
ترجمہ: بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے لیئے آزمائش ہیں۔
قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے۔
"وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ۔" (النساء - ۱۲۸)
ترجمہ: یعنی انسانی نفوس کے سامنے لالچ کو رکھ دیا گیا ہے۔
البتہ اس کا تریاق بھی قرآن مجید میں پیش کر دیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ
"وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" (الحشر - ۹)
یعنی جو انسان لالچ سے بچ نکلا وہی فلاح پانے والا ہے۔
شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے۔ شیطان کیا ہے؟
شیطان فی الحقیقت انسانی نفس کی انتہائی سرکشی کا نام ہے۔ نفس انسانی ہر وقت انسان کو گمراہی اور ضلالت کی دعوت دیتا ہے۔ سچ پوچھیے تو انسانی نفس ہی انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہے۔ بموجب نص قرآنی: "لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ" (آل عمران - ۱۸۶)
ترجمہ: انسان کو مال اور جان کے اعتبار سے آزمایا جائے گا۔
بقول علامہ اقبال ؎

سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات
سلسلۂ روز و شب اصل حیات و ممات
تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
سلسلۂ روز و شب صیرفیِ کائنات

بموجب آیت مقدسہ:
"اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ

أَحْسَنُ عَمَلاً ۔" (الملک ۔ ۲)

موت وحیات کو پیدا کرنے کا مقصد ہی انسان کی آزمائش ہے ۔

بموجب نص قرآنی :

"اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝" (الاحزاب ۔ ۷۲)

انسان کو ایک خاص امانت سے سرفراز کیا گیا ہے ۔ چنانچہ اس امانت میں خیانت کرنے والے کو ظلوماً جہولا قرار دیا گیا ہے ۔

بمطابق آیہ مقدسہ :

"وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ج اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوْا بَلٰى ج شَهِدْنَا ج اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ج اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝" (الاعراف ۔ ۱۷۲ ۔ ۱۷۳)

عالم ارواح میں اقرار ربوبیت فی الواقع انسان کی آزمائش کا واضح اعلان ہے ۔ قبر میں پرسش نکیرین اور حشر میں محاسبہ اعمال انسانی آزمائش کی مختلف صورتیں ہیں جنت کا وعدہ اور دوزخ کی وعید انسانی امتحانات کے نتائج اور مآل ہیں ۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

"كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ" (البقرہ-۲۸)

ترجمہ: تم کیونکر اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو۔ تم تو مردہ تھے مگر اس نے تمہیں زندہ کیا۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا۔ اس کے بعد وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا اور تم پھر اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل محض سے انسان اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ البتہ زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ پیش کرنے کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کو مبعوث فرمایا گیا ہے۔ بموجب نص قرآنی:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (الاحزاب-۲۱)

ترجمہ: بے شک تمہارے لئے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شخصیت زندگی گزارنے کا بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی شان میں قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے "أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ" یعنی وہ بندے اللہ تعالیٰ سے شدید محبت رکھتے ہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ناگزیر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

"قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ" ۝ (آل عمران-۳۱)

ترجمہ: اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اعلان فرمادیجئے اے لوگو!

اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے میں تم سے محبت کرے گا۔ اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ مغفرت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی خواہشات کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں پر قربان کر دے اور اپنے تمام معاملات کا حل تعلیمات اسلامی کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

بقول اقبالؔ:

؎ نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
تیرا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

موت صوفیائے کرام کی نظر میں

از مرگ ترسی اے زندہ جاوید
مرگ است صیدے تو در کمینی
جانے کہ بخشند دیگر نگیرند
آدم بمیرد از بے یقینی (اقبالؔ)

ترجمہ: اے ہمیشہ رہنے والی ہستی انسان تو موت سے کیوں خائف ہے۔
موت تو خود تیرا شکار ہے۔ اور تو اس کی گھات میں ہے۔ جو
روح یا جان ایک بار عطا کر دی جاتی ہے اسے واپس نہیں لیا جاتا۔
آدمی تو صرف اپنی بے یقینی کی وجہ سے مرتا ہے۔

حکمائے اسلام اور صوفیائے کرام نے قرآن وحدیث اور کشف و وجدان کے ذریعے انسان کی آفاقی حیثیت کا پہلے خود شعور حاصل کیا اور بعد ازاں اس کا برملا اظہار بھی فرمایا۔

صوفیائے کرام کی نظر میں انسان خدا تعالیٰ کا مظہر اتم ہے۔ کائنات ارضی میں اس کا قیام محض عبوری ہے۔ جہان دنیا انسانی روح کی بالیدگی کے لئے بمنزلہ ایک تربیت گاہ ہے۔ معین عرصہ حیات گزارنے کے بعد انسان پھر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

صوفیائے کرام کے ایقان میں موت فنا سے عبارت نہیں۔ موت دراصل روح انسانی کے نقل مکانی کا نام ہے۔ جہانِ دُنیا کو چھوڑ کر پھر انسان عالم برزخ کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ رہا انسانی جسم کا معاملہ۔ جان لینا چاہیئے

کہ موت کا اطلاق صرف جسم پر ہوتا ہے۔ موت کے بعد انسان کا خاکی جسم دوبارہ اپنے ارضی سالمات میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ البتہ خود انسان کو ایک اور لطیف روحانی یا مقداری جسم عطا کر دیا جاتا ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے
فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

جان لینا چاہیئے کہ ہر عارف وقت ہمیشہ اپنی موت کے انتظار میں رہا اور اس نے لمحہ موت کو نعمت غیر مترقبہ خیال کیا۔ چنانچہ عارف رومی نے مرض الموت میں اہل خانہ کو اپنے علاج معالجہ سے روک دیا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ اَب دوست کی ملاقات کا وقت آ پہنچا۔ تساہل اور تامل کیسا۔ حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ موت کو خندہ پیشانی سے قبول فرماتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے موت کا پیغام بھی عجیب انداز میں بھیجا جاتا ہے۔ ایک سبز پوش قاصد کاغذ کا ایک ٹکڑا آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے جس پہ یہ آیت مقدسہ درج ہے۔

"اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً"

یعنی اے پاک روح اپنے رب کی طرف راضی خوشی واپس آجا۔

اس پر حضرت ذکریاؒ اپنا سر سجدے میں رکھتے ہیں اور اسی حالت میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی ہے۔

بقول غالبؔ :

؎ جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

وفات کے وقت حضرت امام غزالیؒ کی عمر صرف اکیاون سال تھی ایک دن آپ فرمانے لگے کہ اللہ تعالےٰ کا پیغام آپہنچا۔ بستر درست کیا جائے۔ آپ خود بستر پر لیٹ جاتے ہیں۔ اور روح عالم بالا کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔

بقول اقبالؔ:

؎ جوہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

حضرت مجدد الف ثانیؒ تین سال قبل ہی لوگوں کو اپنی وفات سے آگاہ فرما دیتے ہیں۔ بوقت وفات آپ کو ضیق النفس کا معمولی عارضہ لاحق ہوتا ہے۔ یوں آپ اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہوتے ہیں۔ حضرت بوعلی قلندرؒ اپنی خوشی سے جہانِ فانی کو الوداع کہتے ہیں. غرضیکہ ہر درویش کامل نے موت کو ایک انمول تحفہ خیال فرمایا اور اسے برضا و رغبت قبول کیا۔

درویشانِ باصفا کی نظر میں دنیا ایک گزرگاہ ہے۔ ایک مخصوص عرصہ قیام کے بعد انسان جہانِ دنیا چھوڑ کر پھر عالم بقا کی طرف چلا جاتا ہے صوفیائے کرام کی نظر میں موت دراصل عالم شہادت سے عالم معنی میں منتقل ہونے کا نام ہے۔ جہانِ دُنیا کو وہ اِس سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ کہ

؎ خُودی کی ہے یہ منزلِ اوّلیں
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں

جب حضرت علی احمد صابرؒ سے فنا اور بقا کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ یہی سوال ہماری وفات کے دن ہماری نمازِ جنازہ پڑھانے والے شخص سے پوچھا جائے۔ وفات کے دن یہی سوال دوبارہ کیا گیا۔ نمازِ جنازہ کسی نقاب پوش شخص نے پڑھائی تھی۔ جب اس نے نقاب اُٹھایا تو معلوم ہوا کہ نمازِ جنازہ پڑھانے والے بزرگ خود حضرت علی احمد صابرؒ تھے۔ آپ فرمانے لگے کہ وُہ میرا مردہ جسم پڑا ہے۔ وہ فنا ہے اور مَیں تیرے سامنے کھڑا ہوں۔ میں بقا ہوں۔ ہر چند کہ عقل اِن باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ مگر عشق کی دنیا میں یہ کیفیات معمولی درجہ رکھتی ہیں۔ بقول ایک عارف باللہ انسان درحقیقت ہستی مطلق کا حسین خیال ہے اور اس کے لئے موت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ

نہ فنا میری نہ بقا میری مجھے زندگی سے کیا واسطہ
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں میرا کچھ وجود و علم نہیں

علماءِ حق نے فرمایا ہے کہ موت بالکل مٹ جانے اور فنا ہونے کا نام نہیں۔ بلکہ موت کے معنی یہ ہیں کہ رُوح کا لگاؤ بدن سے چھوٹ جائے دونوں میں جدائی ہو جائے اور رُوح ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جائے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ لوگو! تم فنا ہو جانے کے لیے پیدا نہیں کیے گئے ہو اور تم ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل کیے جاؤ گے۔

حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ فرماتے ہیں:

من نیم مسعود واللہ من نیم
نور نورم نور نورم نور نور
من چراغ و پنبہ و روغن نیم

یعنی میں مسعودؔ کچھ بھی نہیں ہوں۔ البتہ میں جو کچھ بھی ہوں نور ہی نور ہوں چونکہ نور فنا پذیر نہیں۔ لہذا انسان کو فنا نہیں۔

تصوّرِ حیات و ممات شعرائے اسلام کی نظر میں

وُہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدّر ہو وہ یہ گوہر نہیں

قُلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

حیات کیا ہے عناصر کا ظہورِ ترتیب
موت کیا انہی اجزاء کا پریشاں ہونا

سمجھتا ہے تُو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

زندگی انساں کی دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے رم کے سوا کچھ بھی نہیں

موت تجدیدِ مذاقِ زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے
قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

مختلف ہر منزل ہستی کی رسم و راہ ہے
آخرت بھی زندگی کی ایک جولانگاہ ہے

موت کے ہاتھوں سے مٹ سکتا اگر نقش حیات
عام یوں اس کو نہ کر دیتا نظام کائنات

ہے اگر ارزاں تو یہ سمجھو اجل کچھ بھی نہیں
جس طرح سونے سے جینے میں خلل کچھ بھی نہیں

موت ہر شاہ و گدا کے خواب کی تعبیر ہے
اس ستم گر کا ستم انصاف کی تصویر ہے

بے حضوری ہے تیری موت کا راز
زندہ ہے تُو تو بے حضور نہیں

کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں

نظر اللہ پہ رکھتا ہے مسلمان غیور
موت کیا شے ہے فقط عالم معنی کا سفر

موت کی لیکن دل دانا کو کچھ پرواہ نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامۂ فردا نہیں

جوہر انسان عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

نہیں برسوں پہ کچھ مدارِ حیات
موت پہ زندگی تمام نہیں

خاص بندوں کو ہے بقا حاصل
ذکر محرومیِ عوام نہیں

لحد میں بھی یہی غیب و حضور رہتا ہے
اگر ہو زندہ تو دل ناصبور رہتا ہے

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دُور رہتا ہے

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

نظر حیات پہ رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات کیا ہے حضور و سرور و نور

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مرد دانش مند
حیات کیا ہے شب تاریک میں شرر کی نمود

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

نہ چھیڑ اے نگہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشاء
غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما



موت کے متعلق غیر اسلامی تصوّرات

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دُنیا میں سفر کر نہ سکا

فکر رسا کے باوجود اہل فلاسفہ موت کی حقیقت کو نہیں پا سکے۔ انہوں نے موت کو حیوانی زندگی کی طرح فنا سے تعبیر کیا ہے۔ ان کے خیال میں مُردوں سے خواب میں ملاقات محض تخیل کی شعبدہ بازی ہوتی ہے۔ البتہ بعض حقائق کو بھی اتفاقات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر جان لینا چاہیئے کہ دُنیا میں کوئی ہنگامہ اتفاقاً رونما نہیں ہوتا بلکہ ہر انقلاب کے پس پردہ حکمت خداوندی کارفرما ہوتی ہے۔ انسان کی پیدائش بھی ایک حادثاتی واقعہ نہیں اور نہ ہی اس کا دُنیا سے چلے جانا کوئی اتفاقی سانحہ ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ نظام کائنات کے عین مطابق ہو رہا ہے۔

موت کے بارے میں غیر مسلم علماء اپنا اپنا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ مسلمانوں کی طرح موت کو انتقالِ روح کا معاملہ تصوّر کرتے ہیں۔ ان کے ایقان میں موت کے بعد انسان عالم برزخ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ہنود موت کو فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وُہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ ان کے خیال میں دنیاوی زندگی ہی سب کچھ ہے اور جہانِ دُنیا سے آگے کوئی اور جہان نہیں۔ وُہ

مسئلہ تناسخ کے بھی قائل ہیں۔ ان کے گمان میں انسان موت کے بعد اپنے حسب حال کوئی نیا روپ اختیار کر لیتا ہے اور کسی حیوانی صورت میں دُنیا میں دوبارہ جنم لے لیتا ہے۔ جنّت اور دوزخ کو بھی وہ تسلیم نہیں کرتے۔ نظریہ اشتراکیت کے پیروکار بھی جہان دنیا ہی کو سب کچھ خیال کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں موت فنا سے عبارت ہے۔ مگر درحقیقت بات کچھ اور ہے۔ بقول ایک شاعر

؎ اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا

تدفینِ موتیٰ

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق مسلمان اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں۔ عقل سلیم بھی یہی فیصلہ دیتی ہے کہ وہ شخص جو عمر بھر دوسروں کی خدمت کرتا رہا ہو خود بھی بہتر سلوک کا مستحق ہے۔ چاہیے کہ پس مرگ اسے باعزت طریقے سے دُنیا سے رُخصت کیا جائے اور اس کے لئے خصوصی دُعائے مغفرت کی جائے۔

ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مسلمان اپنے مُردوں کو بڑے احترام سے دفن کرتے ہیں۔ تجہیز و تکفین کے تمام معاملات اور دیگر مذہبی رسومات بحسن و خوبی ادا کی جاتی ہیں۔

ہندومت، بدھ مت اور اشتراکیت کے پیروکار اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں اُن کے خیال میں جہاں دُنیا سے آگے کوئی مقام نہیں۔ روز جزا پر بھی وہ یقین نہیں رکھتے۔ بدیں جہت وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں تاکہ حساب کتاب کا تصور ہی ختم ہو جائے۔ ان کے گمان میں جسم رہے گا نہ محاسبہ کی نوبت آئے گی۔

انسان کو ایک معاشرتی حیوان بھی کہا جاتا ہے۔ زندوں کے علاوہ مُردوں کی جُدائی کو بھی وہ قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ زمانہ قدیم میں مُردوں کے اجسام کو مومیائی کی صورت میں محفوظ کر لیا جاتا تھا۔ مُردوں کو فاخرہ لباس میں چارپائی پر ڈال دیا جاتا اور کسی کمرے میں دیدار عام کے لئے رکھ دیا جاتا۔ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ مُردوں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی کہ لوگوں کے مکان ناکافی ثابت ہونے لگے۔ اس پر انسان نے مُردوں کو محفوظ کرنے کی نئی راہیں نکالیں۔ نتیجۃً انہیں خوبصورت لباس زیب تن کیا جاتا اور آبادی سے باہر درختوں کے ساتھ معلق کر دیا جاتا۔ مدت مدید تک یہ طریقہ رائج رہا۔ مگر بسا اوقات تیز

آندھی چلنے پر مُردے باہم ٹکرا جاتے۔ ہر چند کہ مُردوں کے باہم ٹکرانے کا یہ منظر لوگوں کو پسند نہ تھا۔ چنانچہ موتی کو ٹھکانے لگانے کے لیے انہیں قیمتی روغن اور ایندھن سے جلایا جانے لگا۔ ان کی راکھ کو دریا میں ڈال دیا جاتا۔ تاہم ان کی یاد میں جلانے کی جگہ پر خوبصورت یادگار تعمیر کر دی جاتی۔ مگر مُردوں کا یوں جلایا جانا بعض حساس طبائع پر گراں گزرا اور انہوں نے ذہنی طور پر اس مکروہ فعل کو پسند نہ کیا۔

اسلام چونکہ ایک آفاقی مذہب ہے اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ چنانچہ اسلامی فلسفہ حیات کی روشنی میں مُردوں کی بہت تکریم ہونے لگی اور ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کا باوقار طریقہ منظر عام پر آیا۔ انسانی آبادیوں سے دُور مُردوں کے لئے قبرستان بنائے گئے۔ عظیم الشان تعزیتی جلوس کی شکل میں انہیں قبرستان پہنچایا جاتا اور آخر پہ ان کی مغفرت کے لئے فاتحہ خوانی کی جاتی۔

مسلمانوں میں اپنے مُردوں کی تکریم کا یہ روایتی طریقہ ہنوز رائج ہے دورانِ سال مختلف مذہبی تہواروں کے موقع پہ مرحومین کے لئے ایصالِ ثواب کی محفلیں سجائی جاتی ہیں۔ لوگ اپنی عقیدت اور محبت کا اظہار کرنے کے لئے بعض دیگر رسومات بھی ادا کرتے ہیں۔



فصل سوم

خوفِ موت

خوف کیا ہے

انسان فطرتاً فعّال واقع ہوا ہے۔ اُسے اپنے عرصہ حیات میں کئی ایک فرائض ادا کرنا ہوتے ہیں۔ دَوران عمل کبھی وُہ خوشی محسوس کرتا ہے اور کبھی خوف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خوف کیا ہے. جان لینا چاہیئے کہ خوف ذہن کی ایک سلبی کیفیت ہے۔ خوف اِنسان کا نفسیاتی معاملہ ہے۔ یہ ایک بنیادی جذبہ ہے۔ وحشت ہیبت ڈر خدشہ اور تشویش خوف کی مختلف صورتیں ہیں۔ خوف کی حالت میں انسان کی قوّتِ ارادی زائل ہو جاتی ہے حتیٰ کہ قوّتِ مدافعت بھی جواب دے دیتی ہے۔ چنانچہ اِنسان بے عملی کا شکار ہو کر قعرِ مذلت میں گر جاتا ہے۔

کیا وجہ ہے کہ اِنسان کشادہ دیوار پر چلنے کا حوصلہ نہیں رکھتا جبکہ وہ معمولی پگڈنڈی پر بلا خوف و خطر بھاگ سکتا ہے۔ اِسی طرح وہ ندی پار کرتے وقت بھی ہیبت محسوس کرتا ہے. گویا خوف کے زیرِ اثر انسان لاشعوری طور پر کسی موہوم خطرے سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ احساسِ محرومی اسے دبوچ لیتا ہے اور وہ اپنی ذہنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے کسی المناک حادثے سے دوچار ہو جاتا ہے۔ خوف کی صورت میں پہلے انسان کا ذہن ماؤف

ہوتا ہے اور پھر تمام اعضا معلول ہو جاتے ہیں۔ نتیجتہً مایوسی اور پریشانی اس پر غلبہ پا لیتی ہے۔

؎ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

کے مصداق خوف کی حالت میں انسان کچھ بھی نہیں کر پاتا۔ جان لینا چاہیے کہ خوف کا نتیجہ رسوائی ہے۔ عام طور پر انسان رزق، عزت اور مال ومنال کے خوف سے دوچار رہتا ہے لیکن اس کی زندگی میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب وہ موت کا خوف محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور یہ خوف رزق اور عزت وغیرہ کے خوف سے کہیں بڑھ کر اس کے لئے پریشان کن ہوتا ہے اور وہ سوچتا ہے کہ مبادا اس کی اچانک موت واقع ہو جائے اور اس کے دنیاوی معاملات ناتمام رہ جائیں۔

خوف کے بہت سے محرکات ہو سکتے ہیں۔ ہیجانات واقعات ناکامی مایوسی اور بار بار کی غلطیوں کا مجموعی تاثر انسان میں خود اعتمادی اور تحفظ کے احساس کو کمزور کر دیتا ہے۔ نتیجتہً اس میں تشکیک اور بے یقینی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے جو خوف کے دو بڑے عوامل ہیں۔ اس کے علاوہ جسمانی کمزوری بھی خوف کا سبب بن سکتی ہے۔ خارجی ماحول کا سازگار نہ ہونا بھی خوف کا موجب ہو سکتا ہے۔ بے بنیاد اور طویل امیدیں بھی انسان میں خوف کو جنم دیتی ہیں۔ بسا اوقات جہالت اور لاعلمی سے بھی خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ الغرض خوف کا کوئی بھی سبب ہو انسان خوف سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تاہم خوف کی تشریح اور اس کے بے سود ہونے کے بارے میں گفتگو سے خوف کی کیفیت ختم ہو سکتی ہے۔

خوفِ موت کے مضرات

کیا ہمیں موت سے خائف ہونا چاہیے ؟ یہ ایسا نازک سوال ہے جس سے کوئی شخص بھی صرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ جان لینا چاہیے کہ موت کسی سزا کا نام نہیں اور نہ ہی کسی عقوبت کے نتیجے میں موت انسان پر وارد ہوتی ہے۔ موت امرِ ربّی ہے موت قانونِ فطرت ہے۔ اسے بخوشی قبول کر لینا ہی قرینِ مصلحت ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ موت اُپنے وقت سے قبل نہیں آتی۔ چنانچہ زندگی میں انسان بارہا بیمار پڑتا ہے۔ مگر شفایاب ہو جاتا ہے۔ البتہ مرض الموت میں کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہوتی اور بالآخر انسان فوت ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص موت کو بخوشی قبول کرتا ہے تب بھی موت اس پہ وارد ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر کوئی اس سے راہ فرار اختیار کرتا ہے تو اسے بھی موت دبوچ لیتی ہے۔ نصِ قرآنی ہے کہ :

" اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ " (النساء-۷۸)

گویا انسان کی آرزو کے نتیجہ میں موت کو معرضِ التوا میں نہیں ڈالا جاتا۔ امیر غریب، چھوٹے بڑے، متقی اور گناہگار غرضیکہ کسی کو بھی موت سے مفر نہیں۔ حتیٰ کہ غوث قطب ابدال اور انبیاء کرام بھی موت سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : " اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (الزمر۳۰)

یعنی اے حبیبؐ جسم کے اعتبار سے آپ بھی دنیا کو خیر باد کہیں گے اور آپ

کے دشمن بھی نابود ہو جائیں گے ـــــ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک دنیا میں ایک بھی ایسا انسان نہیں بھیجا جو کھاتا پیتا نہ تھا اور جو یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا تھا ـــــ مزید فرمایا گیا کہ کیا فرعون اور نمرود کی موت پر آسمان نے آنسو بہائے یا زمین نے آہ و بکا کی۔ ایسا ہرگز نہیں ہوا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ " لِلْحَیَاتِ مَوْتٌ لِلشَّبَابِ کِبَرٌ " یعنی حیات کے لئے موت اور جوانی کے لئے بڑھاپا ہے۔ انسان اگر دو ہزار سال تک بھی زندہ رہے تب بھی ایک نہ ایک دن اسے دنیا سے رخصت ہونا ہے اس فطری قانون میں ایسی حکمتیں پوشیدہ ہیں جن تک عام انسانی نظر کی رسائی نہیں۔ ذرا غور فرمائیے کہ آج تک اگر ایک انسان کا بھی انتقال نہ ہوتا تو دنیا کی آبادی کا کیا حال ہوتا۔ اور مسائل زندگی کس قدر پیچیدہ ہو چکے ہوتے۔ بیماریاں اور پریشانیاں تو انسان کے ساتھ ہیں۔ امیر یا غریب کوئی شخص بھی ان سے محفوظ نہیں۔ دنیا میں بڑھاپے۔ بیماریوں اور پریشانیوں کے موجود ہوتے ہوئے اگر موت کا وجود نہ ہوتا تو انسان کتنی اذیت ناک زندگی بسر کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ عمر کے آخری حصے میں انسانی اعضاء اور قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ توانائی کم ہو جاتی ہے۔ دانت قائم نہیں رہتے۔ بینائی سلب اور جنسی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں انسان ارذل عمر کو پہنچ جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبرسنی سے اپنی دعاؤں میں پناہ مانگی کیونکہ یہ وہ مقام ہے۔ جہاں انسان کے اپنے اعضاء مفلوج ہو جاتے ہیں اور وہ دوسروں کے

سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ احتیاج اس کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی ایک بوجھ بن جاتی ہے۔ اس حالت میں اس پر ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ وہ خود اپنی موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ آدمی کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا میں بھیجا جاتا ہے۔ جب وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو اسے دارِ بقا میں واپس بلا لیا جاتا ہے۔ بقول ایک اردو شاعر انشاء اللہ خان انشآء

کمر باندھے ہوئے چلنے کو یاں سب یار بیٹھے ہیں
بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

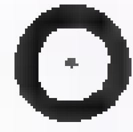
بھلا گردش فلک کی چین دیتی ہے کسے انشآء
غنیمت ہے جو ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

خوفِ موت کے اسباب

خوفِ موت کے اسباب بھی قابلِ غور ہیں۔ اِنسان بالعموم یہ خیال کرتا ہے کہ دُنیا کی زندگی بہت حسین ہے۔ شاید موت کے بعد اسے ایسا خوشگوار ماحول میسّر نہ آسکے۔ قبر کی تنگ و تاریک کوٹھڑی کا تصوّر بھی اِنسان کی پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے۔ زندگی میں اچھے اعمال نہ کرنے کا بھیانک انجام بھی ذہنی پُرخاش کا سبب بن سکتا ہے۔ فطرتاً انسان کو رشتہ داروں اور دوستوں کی مفارقت کا تصوّر تک پسند نہیں۔ دُنیاوی اثاثے کوٹھیاں، کاریں اور کارخانے وغیرہ بھی موت کو تسلیم کرنے سے مانع ہو سکتے ہیں۔ مادی لذائذ اور آسائشیں انسان کو موت سے فرار پہ مجبور کرتی ہیں۔ بعض اوقات اقتدار کا نشہ بھی اِنسان کو دُنیا چھوڑنے سے روکتا ہے۔ جب بُرے لوگوں کا بُرا انجام اِنسان کے سامنے آتا ہے تو وُہ خُود اَپنے منطقی انجام کو بھانپ لیتا ہے اور پھر اُسے کسی طرح ٹالنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ موت کی کیفیت اِنسان کے طرزِ فکر و عمل کا ماحصل ہے۔ موت کے وقت یا تو اِنسان کے پیشِ نظر گل و گلزار کی کیفیت ہوتی ہے یا سخت کرب و بلا کا منظر۔ جب اِنسان اِن موہوم تصوّرات کو ذہن میں لاتا ہے تو بالآخر وہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ بعض اوقات اِنسان یہ گمان کرتا ہے کہ نظام

کائنات شاید اسی کی بدولت چل رہا ہے ۔ اس کی عدم موجودگی میں اسے کون چلائے گا۔ اسے یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ اس کے انتقال کے بعد نظامِ کائنات معطل ہو کر رہ جائے گا۔

الغرض اِنسان اسی قبیل کی بھول بھلیوں میں پڑ کر ہمیشہ موت سے خائف رہتا ہے۔ اور نتیجتہً اس سے گریز کی کوشش کرتا ہے۔



خوفِ موت کا علاج

ہر چند کہ اِنسان موت سے خائف ہے۔ البتہ اِس خوف سے نجات حاصل کرنا اس کا فطری تقاضا ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ رحمت باری تعالیٰ ہر شے پہ محیط ہے۔ لہٰذا اِنسان کو مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبّت کا وسیلہ ہر قسم کے حُزن و یاس کے لئے نسخۂ کیمیا ہے۔ اس لئے عشقِ رسُول کو دل میں پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ فعال اور بامقصد زندگی بذاتِ خود غمِ مرگ کا نفسیاتی اور منطقی علاج ہے۔ نیز احکام شرعیہ کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا خوشگوار زندگی اور قابلِ رشک موت کی ضمانت ہے۔ خلقِ خدا کے ساتھ نیکی اور ہمدردی کو زندگی کا شعار بنایا جائے اور جانداروں کی ایذا رسانی سے تا مقدور اجتناب کیا جائے۔ مکروہات و منکرات سے مبّرا زندگی انسان کے لئے سعادت مندی کی علامت ہے یہ خیال کر لینا کہ مرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا خوف موت سے آدمی کو نجات دیتا ہے۔ بقول اقبالؔ :

موت کی لیکن دلِ دانا کو کچھ پروا نہیں
شب کی خاموشی میں جز ہنگامہ فردا نہیں

یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ایک آدمی کی پیدائش سے پہلے بھی دنیا آباد تھی اور اس کے چلے جانے کے بعد بھی جونہی آباد رہے گی اس لئے خوف موت کو خود پر مسلط کر لینا دانشمندی نہیں۔ بقول

ایک شاعر ؎

یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

ہر شخص اُپنے قول و فعل کا خود ہی جوابدہ ہے۔ لہٰذا اہل و عیال کی کفالت کے لئے ناجائز طریقے سے اُپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا عقلِ سلیم سے بعید ہے۔ دُنیا بیوفائی میں ضرب المثل ہے۔ اہل دُنیا حسد اور کینہ میں مشہور ہیں۔ چنانچہ دُنیا کی اس بے مروّتی اور بیوفائی کا احساس بھی اِنسان کو دنیا کی محبّت سے رہائی اور خوفِ موت سے نجات دلاتا ہے۔ جیسا کہ خوفِ موت کے اسباب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ بعض لوگ مرنے سے محض اس لئے ڈرتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہ جانے ان پر کیا گزرے گی اور وہ کس کس عذاب میں مبتلا کیئے جائیں گے۔ اس خوف سے نجات کے لئے اسلام نے "لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" کی نوید سُنائی ہے۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت اللعالمینی اور شفیع المذنبین کے آخری سہارے نے خطاکار مسلمانوں کو خوفِ موت سے بالکل نجات دلادی ہے۔

ہر چند کہ اِنسان کا گناہ سے بچنا آسان نہیں۔ مگر حصُولِ رحمت اور بخشش کے دسیلے بھی تو اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھُلا ہے۔ ایک مسلمان جب تک اللہ تعالےٰ سے اپنے گناہوں کی معافی کا خواستگار رہتا ہے اس کا رُوحانی معاملہ بالکل درست رہتا ہے۔ گو معصیت کی حالت میں ایک مسلمان کا ایمان کمزور ہوگا تاہم وہ بالکل مردہ بھی نہ ہوگا۔ چنانچہ روزِ حشر اس کی بخشش کی کوئی نہ کوئی راہ ضرور

نکل آئے گی۔ بقول ایک شاعر

پھر اس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھو
گنا ہگار یہ کہہ دے کہ گنہگار ہوں میں

مقدرات کو تسلیم کر لینا اور اپنی عقلی موشگافیوں سے اجتناب کرنا خوفِ موت سے نجات کا احسن طریقہ ہے۔ مالک حقیقی جب چاہے اپنے بندوں سے ناسوتی زندگی کی امانت واپس لے سکتا ہے۔ کسے مجال کہ اس میں پس و پیش کر سکے۔

بموجب آیہ مقدسہ "اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ" (التوبہ۔ ۱۱۱) اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض مومنوں سے ان کی جان کا سودا کیا ہوا ہے۔ بقول غالب :ؔ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دعائیہ کلمات کو حرزِ جاں تصور کرے کیونکہ ان کلمات کے ورد سے پہاڑ برابر گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرَتُکَ اَوْسَعُ مِنْ ذُنُوْبِیْ وَرَحْمَتُکَ اَرْجٰی عِنْدِیْ مِنْ عَمَلِیْ ٥ (الحدیث)

ترجمہ : اے اللہ تیری مغفرت میرے گناہوں سے کہیں بڑھ کر وسیع ہے اور میں اپنے عمل سے قبل تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتِ عمومی کا تو یہ عالم ہے کہ

میں سر جھکائے سوئے جہنم چلا ہی تھا
کچھ رحم آگیا میرے پروردگار کو

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تعالےٰ کو اپنے بندوں سے ستّر ماؤں کی ممتا سے بھی زیادہ پیار ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

"اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ"
بے شک اللہ تعالےٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

بموجب نص قرآنی:
"اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝
(الاعراف۔ ۱۹۶)

اللہ تعالےٰ اپنے صالح بندوں کی خود کفالت فرماتے ہیں۔

جب ہم اللہ تعالےٰ کے اس الطاف عمومی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سوائے اس کی رحمت کی امید کے کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔ حقوق العباد کا التزام درحقیقت رضائے الٰہی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ محبت کے راستے کو اپنانا زندگی کے ہر میدان میں کامیابی کی ضمانت ہے۔ بموجب آیات مقدسہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (القمر۔ ۵۴۔ ۵۵)۔ متقی لوگ جنّت میں ہیں۔ جس میں نہریں بہتی ہیں اور وہ مقتدر اعلیٰ کے روبرو پاک محفل میں فائز المرام ہیں۔ بموجب ایک اور نص قرآنی "فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝ (الفجر۔ ۲۹۔ ۳۰) نیک لوگوں کی نسبتِ صحبت سے بھی ایک مسلمان جنّت کا سزوار ہو سکتا ہے۔

بموجب نصِ قرآنی :

"كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ"

اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی بخشش کے لئے محض کوئی بہانہ چاہتے ہیں اس لئے کہ رحمت اس کا خاصا ہے۔

بقول ایک شاعر

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تُو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا

ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تیری رحمت نے گوارا نہ کیا



بندۂ مومن اور خوفِ موت

موت برحق اور اٹل ہے۔ بموجب نص قرآنی۔ "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ" ہر ذی نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ درجہ ایمان کے اعتبار سے ہر انسان اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ بدیں جہت اس کا مرحلہ موت بھی انفرادی نوعیت کا ہوتا ہے۔ البتہ مقربین بارگاہ قدس خاص کیف و مستی کے عالم میں دنیا کو خیر باد کہتے ہیں۔ چنانچہ وصال کے وقت بندۂ مقرب کو سرکار دوعالم کی زیارت سے مشرف کیا جاتا ہے۔ بعض روحانی شخصیتیں بھی تشریف فرما ہوتی ہیں۔ بندۂ مومن پہ وجدانی کیفیت طاری ہوتی ہے لہٰذا اسے موت کی سختی کا احساس تک نہیں ہوتا اور وہ بصد خوشی عالم برزخ میں منتقل ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بندہ مومن کی اسی کیفیت کو اس شعر میں بیان کیا ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یعنی مرد مومن کی نشانی یہ ہے کہ جب موت آتی ہے تو اس کے لبوں پہ تبسم ہوتا ہے۔

بموجب نصوص قرآنی "حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا وَھُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰىھُمُ الْحَقِّ ؕ (انعام۔ ۶۱-۶۲)

اور اَلَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ (النحل - ۳۲)۔

ایک مقرب بندے کی موت کے وقت حسین و جمیل فرشتے اس کے پاس حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے اسے ہدیۂ تبریک پیش کیا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر بندۂ مومن پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے چنانچہ اسی کیف و مستی کے عالم میں اس کی روح عالم بالا کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔ جب وہ عالم برزخ میں پہنچتا ہے تو سب سے پہلے اُسے اللہ تعالےٰ کے حضور پیش کیا جاتا ہے اور پھر مشیت ایزدی کے تحت کسی پُر کیف مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔

انبیاء اکرام، رسولان عظام اور بعض اخص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت نصیب ہوتی ہے کہ وہ عالم برزخ سے جب چاہیں عالم دنیا میں تصرف کر سکتے ہیں۔ تصرف کی یہ کیفیت خواب میں بھی ہوتی ہے اور بیداری میں بھی۔ اس کا تعلق نظارہ کرنے والے کے ذوق و شوق اور ظرف کی استعداد پر مبنی ہے۔ عالم برزخ سے عالمِ دُنیا میں ان نفوسِ قدسیہ کا ظہور جسمانی طور پر صرف ایک ہی جگہ اور ایک ہی شکل میں نہیں ہوتا بلکہ بعض دفعہ مختلف شکلوں اور مختلف جگہوں پر بیک وقت بھی ہو جاتا ہے۔ ایسے واقعات صوفیاء کے تذکروں میں دیکھنے میں آتے ہیں۔

تاہم وفات کے بعد بھی بندۂ مومن کا روحانی ارتقاء جاری رہتا ہے اور اس کا مرحلہ شوق کبھی طے نہیں ہونے پاتا۔ بقول علامہ اقبال

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

چونکہ مقربین زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ لہٰذا وصال کے بعد بھی ان کا نام ونشان اور پیغام زندہ رہتا ہے اور قیامت تک آنے والی انسانی نسلیں ان کے نقوش سے رُوحانی فیض حاصل کرتی رہتی ہیں۔ ان کے لئے ایصالِ ثواب کا عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ سالانہ عرس ختم شریف اور ذکر وفکر کی محافل ایسے ہی برگزیدہ بندوں کی یاد میں منعقد کی جاتی ہیں۔ پیغمبرِ اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق اللہ کا مقرب بندہ محاسبہ اعمال سے مستثنیٰ ہوتا ہے چنانچہ قبر میں نکیرین اس سے کوئی سوال نہیں کرتے پُل صراط سے گزرنے کی اسے خبر تک نہ ہوگی اور میدان حشر میں پرسش اعمال کی نوبت بھی نہیں آئے گی۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد گرامی ہے کہ میری اُمت میں ستر ہزار ایسے برگزیدہ بندے ہوں گے جو احتساب سے بالکل مستثنیٰ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے انہیں اعلیٰ مقامات عطا فرمائیں گے۔ مزید یہ کہ ہر مقرب بندے کو اپنے ستر ہزار دوستوں کی سفارش کا اعزاز حاصل ہوگا اور اس کی یہ سفارش بارگاہ ایزدی میں قابل قبول ہوگی۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے اللہ کے مقرب بندے کو سکرات موت کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اور وہ خاص وجدانی کیفیت میں دُنیا کو خیرباد کہتا ہے۔ بادی النظر میں شاید کوئی شخص اس بات کو تسلیم نہ کرے۔ مگر بندہ مومن کو موت کی تکلیف نہ ہونے کے ضمن میں ہزاروں شواہد بطور دلیل پیش کئے جاسکتے ہیں۔

بموجب نصِ قرآنی "یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" حضرت ابراہیمؑ کو نارِ نمرود میں ڈالا گیا۔ مگر حضرت خلیلؑ کو اس جگر سوز کیفیت کا احساس تک نہ ہوا۔ درویشانِ باصفا کے ایقان کے مطابق حضرت ابراہیم اپنے آقا و مولا کی محبت میں اس قدر سرشار تھے کہ آگ کا روح فرسا منظر ان کے لئے بے اثر ثابت ہوا۔ چنانچہ آتشِ نمرود حضرت ابراہیمؑ کے لئے تکلیف دہ ہونے کی بجائے برودت اور سلامتی کا پیغام لائی۔ ایک توجیہہ یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالٰی نے آگ کی خاصیت احتراق ہی کو سلب کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ آگ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بمنزلہ گل و گلزار ثابت ہوئی۔

جیسا کہ قرآن مجید کی سورت یوسف میں بیان کیا گیا ہے کہ زنانِ مصر حضرت یوسفؑ کے حسن و جمال سے اس قدر مدہوش ہوئیں کہ اپنی انگلیوں کے کٹ جانے کا احساس تک نہ ہوا۔ سچ بات تو یہ ہے کہ رُخِ محبوب کو دیکھ کر طبیعت مچل جاتی ہے۔

پیغمبر اسلام کے ارشادِ گرامی کے مطابق راہِ خدا میں شہید ہونے والا ہر بندۂ مومن شہادت کی بار بار آرزو کرتا ہے۔ اگر موت کا مرحلہ اتنا ہی تکلیف دہ ہوتا تو وہ عالمِ برزخ میں پہنچ کر اس کا ہرگز تقاضا نہ کرتا۔ معلوم ہوا کہ وقتِ شہادت اس کے سامنے ایسا کیف آور منظر ہوتا ہے کہ سکرات موت کا اسے احساس تک نہیں ہوتا۔

اسی طرح اللہ کے ذکر سے بھی انسان پہ بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ نتیجتہً اسے دُنیاوی ہوش نہیں رہتا اور جسمانی تکلیف کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ نعت خوانی یا محفل سماع کے موقع پہ اہل حال بے خود

اور مست ہو جاتے ہیں۔ مشہور روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت بختیار کاکیؒ محفل سماع میں تشریف فرما تھے۔ جب مطرب نے یہ شعر پڑھا:

"کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است"

تو ان پر وجد کی ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ حتیٰ کہ اسی کیف و مستی کے عالم میں ان کا وصال ہو گیا۔

اسی طرح خوبصورت مناظر سے متاثر ہو کر بھی انسان ذہنی سکون اور راحت محسوس کرتا ہے جس سے خارجی ماحول کا تکلیف دہ اثر زائل ہو جاتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے انسان پر رقت اور بیخودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور اسی مدہوشی کے عالم میں انسان بڑی سے بڑی ذہنی یا جسمانی تکلیف کو بھول جاتا ہے۔ حتیٰ کہ موت کی سختی کا بھی اسے احساس نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض روحانی بزرگوں کے پُر رونق اور نورانی چہرے بھی انسان میں بیخودی کی کیفیت پیدا کرنے کا باعث ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے بعض نحیف روحانی چہروں پر نظر پڑتے ہی دل کی کیفیت غیر اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔

سعد ستاروں کی ساعاتِ شرف میں بھی بعض لوگوں پر کیف و مستی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اس دوران ان پر جو کچھ گزرے وہ اس سے مطلقاً بے خبر ہوتے ہیں۔ فرطِ محبت میں بھی بیخودی کی کیفیت انسان پر طاری ہو سکتی ہے۔ چونکہ ایک مقرب بندے کے لئے موت کا لمحہ انتہائی فرحت زا ہوتا ہے لہٰذا اسی کیف و مستی کے عالم میں اس کی روح عالم بالا کی طرف

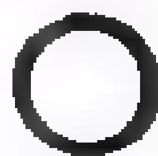
پرواز کر جاتی ہے۔ اس طرح خوبصورت فرشتوں کی ایک جھلک بھی بندۂ مومن کے لئے رُوحانی کیف کا موجب ہوتی ہے اور ان کی موجودگی میں انسان جسمانی تکلیف کو بھول جاتا ہے۔ جنّت کا خوشگوار منظر بھی انسان کے لئے سکینت اور فرحت کا سامان رکھتا ہے۔ وقت وصال بندہ مومن کے سامنے جب جنّت کا نقشہ پیش کیا جاتا ہے۔ تو وُہ رُوحانی نشہ میں بیخود ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جسم سے رُوح کی علیحدگی کا اسے ہوش نہیں رہتا۔ اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت بھی بندۂ مومن کے لئے وجہِ طمانیت ہوتی ہے۔ چونکہ وصال کے وقت بندۂ مومن کو ہر طرف سے ذکر اذکار اور تلاوت کے تحفے پیش کئے جاتے ہیں۔ نتیجتہً اس پر مدہوشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور اسے موت کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ عالم ملکوت کی ایک جھلک انسان کے لئے کیف و سرور کا وہ سماں پیدا کرتی ہے کہ وہ تمام ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے بقول ایک شاعر

اک جھلک دیکھنے کی تاب نہیں عالم کو
وُہ اگر جلوہ کریں کون تماشائی ہو

یہ ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کلوروفام کے استعمال سے ایک مریض کو بے ہوش کر دیا جاتا ہے۔ پھر اس کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ حتّٰی کہ اس کے بعض اعضا کاٹ کر جسم سے الگ کر دیئے جاتے ہیں۔ مگر مریض کو اس کی مطلق خبر نہیں ہوتی۔ ہوش میں آنے پر جب اس سے آپریشن کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو وہ اپنی قطعی لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ اسی طرح کسی زہریلی دوا کے استعمال سے بھی انسان ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ لذیذ کھانوں کے نشہ سے بھی انسان متاثر ہوتا ہے۔ کسی بلند مقام سے گرتے وقت بھی وہ بے ہوش

ہو جاتا ہے ۔ بجلی کا جھٹکا لگنے اور بم پھٹنے سے بھی انسان کا ہوش جاتا رہتا ہے ۔ نیند کے دوران بھی جو کچھ اس پر گزرے وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے کسی مداروی گاڑی میں سوار ہونے سے انسان پر سکتہ طاری ہو سکتا ہے ۔ بعض اوقات ذخّار سمندروں اور فلک بوس پہاڑوں کی ہیبت سے انسان دم بخود رہ جاتا ہے ۔ شراب اور افیون سے انسان پر سُکر کے آثار مرتّب ہونے لگتے ہیں ۔ مسمریزم اور ہپناٹزم سے توجہ کا ارتکاز ممکن ہو چکا ہے ۔ چنانچہ اس صُورت میں بھی انسان دُنیاوی ہوش کھو بیٹھتا ہے ۔ سحر کا بھی مخصوص اثر ہے ۔ انسانی جسم سے خون کا زیادہ مقدار میں بہہ جانا بے ہوشی کا باعث بن سکتا ہے ۔ کسی حادثہ کی صورت میں انسان بے ہوش ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح بھوت پریت کو دیکھ کر انسان کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں ۔ آکسیجن میں کمی کا انسانی ذہن پر خاص اثر ہے ۔ دھوئیں اور تیز لو کی موجودگی میں انسان حواس باختہ ہو جاتا ہے ۔ انتہائی خوشی غم یا حیرت سے بھی انسان پر سکتہ کی کیفیّت طاری ہو جاتی ہے ۔

تاہم اس مدہوشی اور بیخودی میں انسان کسی بھی جسمانی تکلیف کو محسوس نہیں کرتا ۔ بعینہٖ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہو تو انسان کو موت کی شدّت اور تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا ۔ بلکہ وہ خاص کیف و مستی کے عالم میں اپنے مالک حقیقی کی طرف رجعت اختیار کرتا ہے ۔



عام مسلمان کی موت

جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی توحید اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہے تو وہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے ایسا شخص مسلمان کہلاتا ہے۔ گویا کلمہ طیبہ میں ایسی لطافت مخفی ہے جو آنِ واحد میں کفر و شرک کی کثافتوں کو زائل کر دیتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کافر بھی وقت نزع کلمہ طیبہ پڑھ لے تو جنت اس پہ واجب ہو جاتی ہے۔ اس کلمہ کے ذکر سے ایک مسلمان کے تجدید ایمان کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور گناہ کی آلائش اس سے دُور رہتی ہے۔

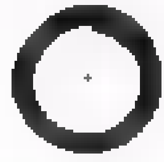
چونکہ عام مسلمان تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے میں تساہل کرتا ہے اور بالعموم منکرات کی طرف مائل رہتا ہے۔ بدیں جہت اس کی موت کا معاملہ بھی بندۂ مومن کی نسبت مختلف ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جب ایک مسلمان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل سے ایمان کا پرندہ اڑ جاتا ہے اور اگر وہ اسی حالت میں فوت ہو جائے تو گویا اس کا خاتمہ کفر پہ ہوا۔ تاہم جب وہ توبہ استغفار اور تہلیل کرتا ہے تو اس طرح وہ اپنے ایمان کی تجدید کرتا ہے اور دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام ہو جاتا ہے۔

ہر چند کہ گناہ کے مسلسل ارتکاب سے ایک مسلمان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس میں نیکی اور بدی کی تمیز باقی نہیں رہتی اور خیالاتِ سفلی کی نحوست اسے گھیر لیتی ہے۔ حتیٰ کہ اس کا ایمان اس قدر کمزور ہو جاتا ہے کہ

کفر کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔

بنا بریں اس کا مرحلہ موت بھی انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ نزع کا عالم روح فرسا، نکیرین کا سامنا افسوسناک اور برزخی معاملات پریشان کن ہوتے ہیں۔ حتیٰ کہ روزِ حشر بھی اسے رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہے کہ خطا کار مسلمان کی جاں کنی کا لمحہ تکلیف دہ ہوتا ہے روایت ہے کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی بیمار صحابی کی تیمارداری کے لئے اس کے گھر تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ اس پر نزع کا عالم طاری تھا۔ والدہ کی گستاخی اور بے ادبی کی وجہ سے وہ جان کنی کی سخت تکلیف میں مبتلا تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابی کی والدہ کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بیٹے کے لئے معافی طلب فرمائی۔ چنانچہ والدہ کے معاف کرنے پر اس صحابی کی بحرانی کیفیت ختم ہوئی اور چند لمحات کے بعد وہ فوت ہو گیا۔



کافر کی موت

ہرچند کہ کافر کی تکلیف دہ نزاعی کیفیت کے بارے میں بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ مگر خوف کو قاری کے ذہن پر مسلط کرنا فقیر مؤلف کا مطمح نظر نہیں۔ اس بات کے پیش نظر کہ لطافت کی خوشبو آتی رہے اور مشام جان کو مسحور کرتی رہے کافر کی موت کے بارے میں عمداً اختصار سے کام لیا گیا ہے اور درج ذیل چند سطور پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ کافر اور مشرک کی موت کا معاملہ انتہائی عبرتناک ہوتا ہے۔ از روئے قرآن و حدیث بے رحم اور جابر فرشتے کافر کے منہ پر طمانچے اور اس کی پشت پر جوتے مارتے ہیں۔ بدشکل اور کریہہ النظر فرشتوں کی موجودگی ہی کافروں کے لئے سب سے بڑا عذاب ہے۔ سکراتِ موت کی کیفیت! العیاذ باللہ۔ پس مرگ کے حالات بھی ناگفتہ بہ ہوتے ہیں۔ "نَارٌ حَامِیَۃٌ" ایسے ہی منکرین خدا و رسول کے لئے تیار کی گئی ہے۔



فصل چہارم

اِنسانی جسم کی اضافیت

ہر مرتبۂ وجود حکمے دارد
گر حفظِ مراتب نکنی زندیقی

ترجمہ : ہر سطح وجود کے آثار اور افعال مختلف ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر تو حفظِ مراتب نہیں کرے گا تو زندیق کہلائے گا۔

ہرچند کہ اِنسان، رُوح اور بدن دونوں سے عبارت ہے۔ تاہم انسانی رُوح ایک مستقل شے ہے۔ جبکہ اس کے جسم کی حیثیت اعتباری اور اضافی ہے۔ عالمِ ارواح میں بھی انسان کا ایک مخصوص جسم ہوتا ہے مگر جہانِ دُنیا میں اسے سالماتِ ارضی سے عبارت ایک نیا جسم عطا کیا جاتا ہے جو ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اپنے درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح خواب میں سیلانی رُوح کا ساتھ دینے والا جسم بھی اس کے خاکی جسم سے بالکل الگ شے ہے۔ عالمِ برزخ میں بھی اسے ایک مخصوص جسم عطا کیا جاتا ہے۔ میدانِ حشر اور جنّت میں بھی اسے ماہیت کے اعتبار سے منفرد جسم عطا کیا جائے گا۔ آئندہ چند اوراق میں ہر ایک کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

انسان کے خاکی جسم کی ماہیت

جان لینا چاہیے کہ انسان کا خاکی جسم بنیادی طور پر ایک خلیہ کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ قرآن مجید میں اس کی ارتقائی منازل کو با تفصیل بیان کیا گیا ہے۔ بموجب آیہ مقدسہ :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ ؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ (ر ج ۔ ۵)

ترجمہ : اے لوگو ! اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو ہم نے تم کو پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور بے بنی تا کہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جیسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر تمہیں نکالتے ہیں بچہ اس لئے کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں کوئی پہلے ہی مر جاتا ہے اور کوئی نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔

انسان کے خاکی جسم کا یہ عالم ہے کہ وہ پہلے ایک نطفہ ہوتا ہے جو باپ کی

صُلب سے منتقل ہو کر والدہ کے بطن میں قرار پاتا ہے۔ پھر وہ ایک پھٹکی، گوشت کے لوتھڑے اور جنین کی ہیئت اختیار کرتا ہے۔ اور اس طرح اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں سے گزرتا ہے۔ ماں کے شکم میں نو ماہ کا عرصہ گزارنے کے بعد وہ ایک بچے کی مثل دنیا میں وارد ہوتا ہے۔ فضائے ارضی میں مزید نشوونما پاتا ہے حتیٰ کہ اپنے عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ تاہم عمر کے آخری حصے میں اس کا خاکی جسم پھر زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ انجام کار کسی بیماری یا حادثہ کے نتیجہ میں اس کی روح اُس کے خاکی جسم کو چھوڑ دیتی ہے اور وہ فوت ہو جاتا ہے۔ انسان کی وفات پر اس کا خاکی جسم قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے جبکہ اس کی روح عالم برزخ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ البتہ انسانی روح کو اس کے حسب حال عالم برزخ میں ایک نیا جسم اور مقام دے دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کہیں تو انسانوں سے فرشتوں کی تخلیق کو ممکن قرار دیا گیا ہے اور کہیں ایک فرشتہ کے ذریعے نفخ روح کا منظر پیش کیا گیا ہے کسی مقام پہ یہ فرمایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق گارے اور کھنکھناتی مٹی سے ہوئی ہے اور کہیں یہ اشارہ ملتا ہے کہ ہر شے کو پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہوئے انسانی جسم کے عارضی اور اعتباری ہونے کا برملا اثبات کیا گیا ہے۔ چنانچہ انسانِ اوّل کی تخلیق بغیر ماں باپ کے محض مٹی سے ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ دیکھیے کہ حضرت حوّا کو بغیر ماں کے حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے جسم عطا کیا گیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے محض ایک فرشتہ کی بشارت پر حضرت مریم کے ہاں پیدا ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ "کن" کہہ کر کسی شے کو پیدا فرما دیتے ہیں اور کبھی "سوّوا" فرما کر ہزاروں کے انسانی

لشکر کو موت کی نیند سُلا دیتے ہیں۔ مگر پھر کسی پیغمبر کی دُعا سے ان مرنے والوں کو زندہ کر دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ قصّہ بیان کرنے کا مقصود اس حقیقت کا برملا اظہار ہے کہ انسانی جسم کا شہود و غیاب اللہ تعالیٰ کے لئے ایک معمولی معاملہ ہے۔

اسی طرح اصحابِ کہف تین سو نو سال تک مردہ حالت میں غار میں پڑے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انہیں دوبارہ زندہ فرما دیا۔ حضرت عُزیرؑ ایک سو سال تک موت کی کیفیت میں رہنے کے بعد مشیّتِ ایزدی سے پھر بیدار ہو گئے۔ جب وہ گھر جاتے ہوئے دوبارہ کھنڈرات کے قریب سے گزرے تو وہاں ایک بارونق شہر کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حیوانی زندگی کی حقیقت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے قرآن مجید میں شرح و بسط سے پیش کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا گیا کہ چار مختلف پرندوں کو سدھایا جائے۔ چند دن کے بعد انہیں ذبح کیا جائے ان کے گوشت کو باہم ملا دیا جائے اور اس کے چار حصّے کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیئے جائیں۔ بعد ازاں انہیں معمول کے مطابق بلایا جائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا ہی کیا۔ جب پرندوں کو ان کے ناموں سے پکارا گیا تو پہلے ان کا گوشت ہوا میں معلق ہوا۔ پھر باہم پیوست ہوا۔ پھر کیا ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے صحیح و سالم پرندے بن گئے اور اُڑتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اسی طرح فرشتے بھی جب کبھی کسی نبی یا ولی کے پاس آتے ہیں تو اکثر انسانی شکل و صورت کے ساتھ شرفِ باریابی پاتے ہیں۔ ان فرشتوں

کو انسانی جسم اپنانے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ۔ واپسی پر وہی فرشتے انسانی جسم چھوڑ کر اپنی اصل ہیئت اختیار کر لیتے ہیں ۔ علیٰ ھٰذا القیاس انسانی روح کو بھی جسم تبدیل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی ۔ موت کے بعد مومن کا قیام کہاں ہوگا بموجب نص قرآنی " فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۔ مومن ایک خوشگوار محفل میں اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کریں گے ۔ ہرچند کہ مومن کی قبر زمین پر واقع ہوتی ہے لیکن اس کا قیام بارگاہ قدس میں ہوتا ہے ۔ یہی ایک راز کی بات ہے جس کا یقین بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی پاکیزہ زندگی کا نقشہ قرآن مجید میں بطریق احسن پیش کیا گیا ہے ۔ حتیٰ کہ شہیدوں کو رزق بھی دیا جاتا ہے ۔ خاکی جسم کی اعتباری حیثیت کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کیا انسان پر ایسا وقت نہیں گزرا کہ وہ نام کی بھی کوئی چیز نہ تھا ۔ نص قرآنی ہے " ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا " (الدھر - ۱) قرآن مجید میں پیدائش سے لے کر موت تک انسانی جسم کو ایک کھیتی کی مثل قرار دیا گیا ہے ۔ کائنات ارضی میں انسانی جسم کی مثال ایسے ہے جیسے کسی کھیت میں دانے بوتے گئے ان کے پودوں سے کھیت میں بہار کا سماں پیدا ہو گیا ، پھر کیا ہوا ۔ گرمی میں تھوڑا سا اضافہ ہوا نتیجتہً کھیت کے پودے مرجھانے لگے اور بالآخر خاکستر کی صورت میں فضا میں منتشر ہو گئے اور کھیت پھر چٹیل میدان دکھائی دینے لگا ۔ اسی طرح انسانی جسم کی کھیتی بھی اپنی زندگی کی بہار دکھا کر پھر ناپید ہو جاتی ہے ۔ مگر انسانی روح ایک مستقل وجود رکھتی ہے ۔ چونکہ روح کو فنا نہیں ۔ لہٰذا انسان کو بھی فنا نہیں ۔

حدیث پاک میں وارد ہے کہ انسانی روح جب عالم ارواح سے عالم دنیا کی طرف اپنے سفر کا آغاز کرتی ہے تو اس کی ساتھی رُوحیں اس کی جدائی میں مضطرب ہوتی ہیں۔ مگر جب انہیں اس بات کا علم ہو جاتا ہے کہ وہ روح عبوری طور پہ دنیا میں منتقل ہو رہی ہے اور کچھ عرصہ بعد واپس آیا چاہتی ہے تو وہ مطمئن ہو جاتی ہیں۔ البتہ اپنا مقررہ عرصہ حیات گزارنے کے بعد جب وہی رُوح دُنیا سے واپسی کا سفر اختیار کرتی ہے تو اس کے عزیز و اقارب اس کی جدائی پر مضطرب ہوتے ہیں۔ اس پہ عالم ارواح کے مکین پکار اٹھتے ہیں کہ دنیا والو! تمہارا ساتھی نہیں فوت ہوا۔ بلکہ ہمارا قدیمی رفیق عالم ارواح کی طرف لوٹ آیا ہے۔ لہذا آپ ہرگز پریشان نہ ہوں۔

اس ضمن میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا ایک مشہور قول پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جو راز کی بات اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دی ہے اگر وہ بات میں قبرستان جاکر کہہ دوں تو تمام مردے اللہ تعالےٰ کے حکم سے کھڑے ہو جائیں۔ بظاہر یہ بات انسان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتی ہے مگر مقام غور و فکر ہے کہ تمام کائنات اللہ تعالےٰ کے صرف ایک کلمہ 'کن' کی تفصیل ہے۔ تمام مظاہر فطرت اللہ تعالےٰ کے اسماء الحسنیٰ کے ظلال و عکوس ہیں اور کائنات کا محرک و محور صرف ایک ذات اللہ ہے۔ بقول خواجہ میر درد:

؎ وحدت نے تیری ہر طرف جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اٹھا دیئے

حضرت شیخ عبدالقادرؒ نے بجا فرمایا کہ اگر میں قبرستان جاکر کلمہ (کن) کہہ دوں یعنی کوئی اسم اعظم پڑھ دوں تو قبرستان کے سارے مُردے

اللہ کے حکم سے کھڑے ہو جائیں۔ حضرت غوث الاعظم سے ایسی کرامات کا ظہور پذیر ہو جانا عین ممکن تھا۔ ان کی روحانی زندگی میں چند ایسی مثالیں ملتی بھی ہیں۔ آپ کسی قبر پر کھڑے ہو جاتے اور اسم اعظم وردِ زباں فرماتے۔ نتیجتہً بوسیدہ ہڈیاں دوبارہ وجود پذیر ہو جاتیں اور اس طرح مُردہ زندہ ہو کر قبر سے باہر آجاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تمام عمر اپنی مسیحائی کے کرشمے دکھاتے رہے۔ اگر آپ مٹی کے کھلونوں پر پھونک مار دیتے تو وہ پرندے بن کر اُڑنے لگتے۔ بیماروں پر دم کرتے تو وہ شفایاب ہو جاتے۔ حتیٰ کہ مُردوں کو کلام الٰہی سے زندہ کر دینا ان کے لئے معمولی بات تھی۔ حضرت عیسیٰؑ میں یہ لطافت پیدائشی طور پر ودیعت کی گئی تھی۔ آپ بغیر باپ کے محض اللہ تعالیٰ کے ایک کلمے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے۔ لہٰذا آپ کو لطافت مطلق سے معنوی نسبت تھی۔

چنانچہ جو کمالاتِ لطافت مطلق سے منسوب ہیں ان کا صدور حضرت عیسیٰؑ کی ذات سے بھی ہونے لگا۔ عام خیال کے مطابق ہمارے خاکی جسم کو عالم ملکوت سے کوئی مناسبت نہیں مگر حضرت عیسیٰؑ اپنے خاکی جسم کے باوصف آسمان چہارم پر اب بھی جلوہ افروز ہیں۔

روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبرستان کے پاس سے گزر رہے تھے۔ چند ایک حواری بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ وہ ایک قبر پر کھڑے ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ سے صاحب قبر کو زندہ کرنے کا تقاضا کرنے لگے۔ قبر میں مدفون شخص ایک سارنگی نواز تھا جو عرصہ دراز سے فوت ہو چکا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ نے اسے اللہ کے حکم سے کھڑا ہونے کو کہا۔ اس پر مردہ سارنگی نواز کی بوسیدہ ہڈیاں اور خاک کے ذرات دوبارہ انسانی روپ میں متشکل ہوئے اور وہ سارنگی بجاتا ہوا لحد سے باہر آگیا۔

انسانی جسم کی تغیّر پذیری

انسان کا خاکی جسم ہر لمحہ تغیّر پذیر ہے۔ وہ بنیادی طور پر الیکٹران پروٹان اور نیوٹران سے عبارت ہے۔ یہی جسم کبھی ہائیڈروجن نائٹروجن اور آکسیجن وغیرہ کی بخاراتی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کبھی وہ نمکیاتی مرکبات کی ہیئت میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بالآخر یہی مرکبات انسانی جسم کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ گویا انسان کا خاکی جسم بھی ہمیشہ ایک حالت پر قائم نہیں رہتا۔ جیسا کہ مولانا رومؒ نے فرمایا ہے:

ہفصد و ہفتاد قالب دیدہ ام
ہمچوں سبزہ بارہا روئیدہ ام

یعنی میں سات سو ستر قالب دیکھ چکا ہوں اور سبزہ کی مانند بارہا روئیدگی کے عمل سے گزر چکا ہوں۔

اسی طرح موت کے بعد بھی خاکی جسم اپنے سالماتی اجزا میں تحلیل ہو کر بظاہر معدوم ہو جاتا ہے۔

—— یہ سالمات اپنی اصل کے اعتبار سے کیا ہیں۔ یہ نورانی ذرّات ہیں جو "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کی قندیل سے مترشح ہوتے ہیں بموجب نص قرآنی "ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ" ہر سمت اللہ ہی کے جلوے دکھائی دیتے ہیں۔

—— قیامت کے روز جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو کائنات کی ہر شے معدوم ہو جائے گی۔ زمین و آسمان کو بھی سمیٹ لیا جائے گا۔ گویا

تمام مظاہر فطرت دوبارہ نورانی سالمات میں تحلیل ہو جائیں گے۔ یہ سالمات اللہ تعالیٰ کا نور ہیں۔ لہٰذا وہ نور جو تمام کائنات میں پھیلا ہوا ہے ایک بار پھر اپنے منبع "اللہ" میں مرتکز ہو جائے گا۔ البتہ جب اللہ تعالیٰ چاہیں گے تو دوسری بار صور پھینکا جائے گا۔ اس پر مادی چیزوں کے سالمات اس ذات واجب الوجوب سے دوبارہ مترشح ہوں گے۔ چنانچہ تمام انسان بھی دوبارہ مخصوص اجسام میں مشہود ہو کر اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچ جائیں گے۔

ہمیں اس وہم میں گرفتار ہونے کی ضرورت نہیں کہ سالمات میں تحلیل ہونے سے انسانی وجود فنا ہو جاتا ہے۔ اگر ایک خلیہ وسعت پا کر ایک بھاری بھرکم انسان کی صورت اختیار کر سکتا ہے تو وہی انسانی جسم سمٹ کر دوبارہ ایک نورانی ذرہ میں بھی مبدل ہو سکتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی حکمت سے وہی نورانی سالمہ وسعت پذیر ہو کر دوبارہ انسانی صورت میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ روزمرّہ کا مشاہدہ ہے کہ پانی کبھی بھاپ کبھی برف اور کبھی ہائیڈروجن کے مرکب کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ وہی پانی کبھی الیکٹران پروٹان اور نیوٹران میں تحلیل ہو جاتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی شے کی ہیئت تبدیل ہونے سے اس پر فنا کا اطلاق ہو سکتا ہے، ہرگز نہیں۔ لہٰذا جسمانی تغیّر کے باوصف انسان کو فنا نہیں۔



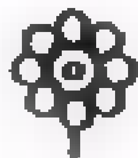
جسم کی خوابی کیفیّت

خواب میں سیلانی روح کا ساتھ دینے والا اِنسانی جسم اس کے خاکی جسم سے بالکل الگ شے ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے اِنسانی روح کو جسم تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ بات ظاہر و باہر ہے کہ خواب میں ہمارا خاکی جسم تو خواب گاہ پر پڑا ہوتا ہے مگر ہم خود کبھی مکہ مکرمہ کبھی لاہور اور کبھی کہیں اور موجود ہوتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ خواب والا جسم ہمارے خاکی جسم سے ایک الگ شے ہے۔ ہر چند کہ اس جسم کے بھی اعضاء ہوتے ہیں اور وہ بظاہر ہمارے خاکی جسم کا عین ہوتا ہے مگر وہ ہمارا خاکی جسم ہرگز نہیں ہوتا۔ روح کے زیرِ اثر اس کی رفتار اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ آنِ واحد میں جہاں چاہتا ہے پہنچ جاتا ہے۔ وہ کبھی ہوا میں اڑتا ہے کبھی پانی پر چلتا ہے کبھی پہاڑوں پر چڑھتا ہے اور کبھی باغات وغیرہ کی سیر کرتا ہے۔ انسان کے اس خوابی جسم کو روحانی یا مقداری جسم کہتے ہیں یہ مقداری جسم روح کا ہر حکم بجالاتا ہے اور اس کا پُورا پُورا ساتھ دیتا ہے البتہ خواب میں جن واردات روحانی کا ترتّب ہوتا ہے بیدار ہونے پر ہمارا خاکی جسم بھی ان کا اثر محسوس کرتا ہے۔ چنانچہ ان خوابی لطافتوں کا فیضان اِنسان پر تا دیر برقرار رہتا ہے۔

جیسا کہ صوفیاء کے تذکروں میں لکھا ہے کہ بعض اوقات ہزاروں عقیدتمندوں نے بیک وقت اَپنے اَپنے خواب میں کسی مردِ کامل کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ وہ درویش کبھی ایک روپ میں سب کے

سامنے جلوہ گر ہوا اور کبھی اس نے مختلف چہروں کے ساتھ اپنے دوستوں کو اپنی ملاقات سے سرفراز فرمایا۔ گو انسانی روح یکتا اور واحد ہے مگر وہ بیک وقت بے شمار صورتوں میں متعدد مقامات پر مشتمل ہو سکتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب "انفاس العارفین" میں رقمطراز ہیں کہ ان کے والد گرامی اپنے زمانے کے ایک کامل درویش تھے۔ مگر دلی کے علمائے کرام ان کی حقیقت کو نہ پاسکے اور ہمیشہ ان سے بدگمانی کا شکار رہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھیے کہ ایک رات تمام علماء نے فرداً فرداً خواب میں یہ منظر دیکھا کہ حضرت شاہ عبدالرحیم خاص بارگاہ قدس میں باریاب ہیں۔ اس خوابی مشاہدہ کے بعد علماء کرام بہت شرمسار ہوئے۔ بیدار ہونے پر اپنا اپنا خواب سنانے کے لئے ایک دوسرے کے پاس گئے۔ چونکہ خواب میں سب نے ایک ہی کیفیت کا مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ وہ اس بات پر بہت متعجب تھے۔ بالآخر حضرت شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں معذرت کے لئے حاضر ہوئے۔ حضرت موصوف نے جب انہیں دور سے آتے دیکھا تو فرمایا کیوں دوستو! اب تو تمہاری تسلی ہو گئی ہوگی۔ حضرت موصوف کے منہ سے یہ فی البدیہہ فقرہ سن کر علمائے کرام کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ چنانچہ دست بستہ ان سے معذرت خواہ ہوتے اور اس طرح ان کی بدگمانی دور ہوگئی یہ تو ایک مثال ہے ورنہ کتب تصوف میں اس قسم کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔



جسم کی برزخی نوعیت

موت کے بعد انسان کے خاکی جسم کو بالعموم قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور وہ بظاہر معدوم ہو جاتا ہے مگر احتساب سے کسی کو مفر نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں انسانی محاسبہ کی کیا صورت ہو گی اور نکیرین کی پرسش کس جسم سے ہو گی۔

جان لینا چاہیئے کہ وہ جسم جس پر محاسبۂ اعمال کا اطلاق ہوتا ہے ہمارا خاکی جسم ہرگز نہیں۔ ہر چند کہ موت کے بعد ہمارا خاکی جسم قبر میں موجود ہوتا ہے مگر بعض اوقات کیمیائی تغیّر کی وجہ سے وہ اپنے اساسی سالمات میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حادثاتی موت کے نتیجہ میں انسانی جسم آگ کی نذر بھی ہو سکتا ہے اور غرقاب کی صورت میں آبی مخلوق کی خوراک بھی بن سکتا ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فرعون کی لاش ہزاروں سال سے محفوظ ہے اور اہل دُنیا کے لئے عبرت کا سماں پیش کر رہی ہے۔ مگر فرعون خود عالم برزخ میں خدا جانے کس مقام پر اور کس جسم کے ساتھ عذاب کا مزہ چکھ رہا ہو گا۔

عالم برزخ میں جس انسانی جسم سے نکیرین سوال کرتے ہیں وہ اس کا خواب والا مثالی اور مقداری جسم ہوتا ہے۔ بظاہر وہ ہمارے ارضی جسم کا عین ہے اور راحت و تکلیف کا اسے بھی احساس ہوتا ہے۔ روز حشر مُردوں کا قبروں سے اٹھایا جانا اللہ تعالیٰ کی معنی خیز حکمت کا اعجاز ہے۔

ایک رات اپنے خوابی مشاہدہ میں فقیر مؤلف کیا دیکھتا ہے کہ

وہ فوت ہو چکا ہے۔ اس کی میّت چارپائی پر پڑی ہے۔ مگر وُہ خود ایک لطیف رُوحانی جسم کے ساتھ لوگوں کے درمیان گھوم پھر رہا ہے۔ بعد ازاں فقیر مولّف دیکھتا ہے کہ اس کے مُردہ جسم کی تجہیز و تکفین ہو رہی ہے۔ پھر اسے ایک جلوس کی شکل میں قبرستان لے جایا جا رہا ہے اور وُہ خود اپنی میّت کے جلوس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ راہگیر فقیر کے عزاداروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ کس کا جنازہ جا رہا ہے۔ فقیر کے کچھ احباب انہیں بتاتے ہیں کہ یہ جنازہ علم الدّین کا ہے۔ فقیر خود بھی لوگوں کو بتا رہا ہے کہ یہ جنازہ علم الدّین کا ہے۔

ہر چند کہ اولیائے عظام کے خاکی اجسام بظاہر مزارات میں محفوظ ہوتے ہیں مگر عالم برزخ میں خدا جانے وہ کن مقامات کی سیر سے مشرف ہوتے ہیں۔ بعض اوقات وہ اُپنے عقیدت مندوں کو اپنی زیارت سے بھی مشرف فرماتے ہیں۔ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ درویشانِ باصفا کے خاکی اجسام قبروں میں بالکل صحیح وسالم حالت میں موجود ہوتے ہیں اور کوئی چیز انہیں نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وصال پانے والے درویشوں کی ارواح کا اُپنے مادی اجسام سے روحانی تعلق قائم رہتا ہے۔ البتہ اگر روح کا اُپنے خاکی جسم سے تعلق استوار ہو تو وہ فنا پذیر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ درویشوں کے مزارات پر سرور وحضور کی کیفیت دیکھنے میں آتی ہے۔

اہلِ جنّت کے جسم کی انفرادیت

بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد
کسے را با کسے کارے نہ باشد

ترجمہ: بہشت وہ مقام ہے جہاں کسی کو کوئی آزار لاحق نہ ہوگا اور کسی کو کسی سے کوئی غرض بھی نہ ہوگی۔

جہاں دُنیا کی طرح جنّت میں بھی بندۂ مومن کو مخصوص روحانی جسم عطا کیا جائے گا۔ اس بات کا تعلق عینی مشاہدے سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہوا کہ فقیر مؤلف کو عالم رویا میں جنّت کی سیر سے بارہا مشرف کیا گیا۔ اس خوابی مشاہدہ کے دوران اس کا ارضی جسم تو خواب گاہ پہ پڑا رہا جبکہ وہ خود ایک لطیف جسم کے ساتھ جنّت میں محو نظارہ رہا۔

جان لینا چاہیئے کہ جنّت میں مقیم لطیف جسم کی ظاہری شکل و صورت ہو بہو انسان کے خاکی جسم جیسی ہوگی۔ مگر وہ اس کا خاکی جسم ہرگز نہیں ہوگا خاکی جسم کا تعلق محض کائنات ارضی سے ہے۔ اس کی نشاۃ اور بالیدگی بھی کائنات ارضی میں ہوتی ہے۔ موت کے بعد یہ جسم بالعموم سالمات میں تحلیل ہو کر دوبارہ کائنات ارضی کا حصّہ بن جاتا ہے۔ لہٰذا جنّت میں جانے والا جسم ہمارے خاکی جسم سے بالکل الگ شے ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اربابِ جنّت وہاں کے پھلوں کو دیکھ کر دُنیا کے پھلوں کا قیاس کریں گے کیونکہ جنّت کے پھل فی الواقع دنیاوی پھلوں کے مشابہ ہوں گے۔ مگر اس میں کیا شک ہے کہ وہ دُنیاوی پھل ہرگز نہ ہوں گے۔ ان کا ذائقہ

خوشبو اور رعنائی نرالی ہو گی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں محض ایک خلیہ سے خاکی جسم عطا کیا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانی جسم کی بوسیدہ ہڈیوں اور ذرات سے ایک نیا جسم تشکیل فرمادیں جو اس کے ارضی جسم سے مختلف ہو۔

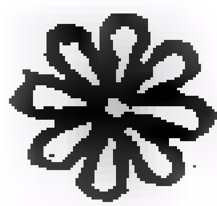
ارباب جنت کا جسم انتہائی خوبصورت صحت مند اور توانا ہوگا۔ ان کے منور نصیف اور بارونق چہرے جنت کے حسن کو دوبالا کر رہے ہوں گے کوئی جنتی بیمار کمزور یا پریشان حال دکھائی نہ دے گا۔ نیز بڑھاپے کا شائبہ تک نہ ہوگا۔ بلکہ ہر جنتی عالم شباب کے مزے لے رہا ہوگا۔ اور ان کے چہروں کا نور ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں بھاگ رہا ہوگا۔ وہ سونے کے تختوں پر بالمقابل بیٹھے شیریں اور لطیف گفت گو کے مزے لے رہے ہوں گے۔ جنتی لوگوں کے اجسام دنیاوی کثافتوں سے بھی پاک ہوں گے۔ حتیٰ کہ بول و براز اور دیگر رطوبتوں کے فراز کا سلسلہ بھی نہ ہوگا۔

چونکہ جنت بہت وسیع وعریض اور پُرکیف مقام ہے لہذا ارباب جنت میں یہ صلاحیت بھی ہوگی کہ وہ آن واحد میں لامحدود فاصلے طے کر سکیں۔ الغرض جنت میں داخل ہونے والا انسانی جسم قابلِ رشک صحت اور قابلِ رشک ماحول کا ہمیشہ لطف اٹھاتا رہے گا۔

جہنّم اور جہنّمی

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ" بے شک جہنّم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ کفّار اور مشرکین جہنّم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ ان کی چیخ و پکار دُور سے سُنی جائے گی۔ گویا کافروں کا جہنّم میں ورود ناگزیر ہے جہنّم کی ہولناکی کے بارے میں فرمایا گیا۔ "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ (القارعہ ۱۰-۱۱) یعنی تم کیا جانتے ہو کہ جہنّم کیا ہے سُن لو! وُہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔ قرآن مجید میں جہنّم کا نقشہ بالتفصیل پیش کیا گیا ہے۔ خون پیپ اور گرم پانی جہنّمی لوگوں کا خاص مشروب ہوگا۔ نیز تھور کا کڑوا اور زہریلا پھل ان کی مخصوص خوراک ہوگی۔ جہنّم فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا مقام ہے۔ اس کی آگ اس قدر تیز ہوگی کہ اپنے اندر داخل ہونے والی ہر شے کو بھسم کر دے گی۔ چنانچہ اس میں داخل ہوتے ہی جہنمیوں کا جسم جل جائے گا۔ مگر انہیں ہر آن نیا قالب دے دیا جائے گا۔ گویا جہنمی لوگ وہاں کئی قالب بدلیں گے تاکہ حسب وعدہ جہنّم کے عذاب کا مزا ہمیشہ چکھتے رہیں۔ بے رحم فرشتے وہاں متعیّن ہوں گے اور انہیں کسی کی آہ و بکا کی کچھ پرواہ نہ ہوگی

جہنّمی اس عذاب کو دیکھ کر دوبارہ دنیا میں بھیجے جانے کی آرزو کریں گے تاکہ فرمانِ خداوندی کی روشنی میں زندگی گزار کر جنّت کے مستحق قرار پائیں۔ مگر ان کی یہ آرزو بے شک حسرت و یاس میں بدل جائے گی اور انہیں جہنّم سے کبھی باہر نہیں نکالا جائے گا۔ (العیاذ باللہ)



فصل پنجم

فوت شدگان سے ملاقات

گو عقل اس بات کو نہیں مانتی کہ کسی کے فوت ہونے کے بعد بھی اس کی زندوں سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن عام آدمیوں کی خواب میں اور خدا کے برگزیدہ بندوں کی خواب کے علاوہ بیداری میں بھی فوت شدگان سے ملاقات ممکن ہے۔ یہ بات ان لوگوں کے مشاہدات اور روحانی تجربات سے ثابت ہے جنھیں ہم ارباب تصوّف کہتے ہیں۔ اس فصل میں ہم ایسی ہی ملاقاتوں کا ذکر کریں گے۔ لیکن سب سے پہلے خواب کی حقیقت پیش کی جاتی ہے۔

خواب کی حقیقت

انسان مختلف ذرائع سے حقائق زندگی کا شعور حاصل کرتا ہے۔ رسمی اور غیر رسمی تعلیمی ادارے اسی مقصد کے حصول کے لئے قائم کیے جاتے ہیں حتیٰ کہ رُوحانی نسبت کے پس پردہ بھی کشفِ حقیقت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے۔ مگر کائنات کے سربستہ رازوں تک رسائی کا ایک اور ذریعہ بھی ہے۔ اور وہ ذریعہ ہے خواب (رویائے صادقہ)۔

خواب کیا ہے؟ بادی النظر میں خواب ایک عام چیز ہے جسے ہر ادنیٰ اعلیٰ بچہ بوڑھا، مرد عورت غرضیکہ سبھی لوگ دیکھتے ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ زمانہ آدمؑ سے تا ہنوز جاری ہے۔ اکثر انبیاء اور اولیاء نے بھی اہم خواب دیکھے ہیں۔ قرآن مجید میں بارہا خواب کا ذکر آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب ہی میں حکم پاکر اپنے فرزند کو قربان کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ حضرت آدمؑ نے پہلے حضرت حوا علیہ کو اپنے خواب میں دیکھا اور پھر بیداری میں۔ حضرت یوسف علیہ کا خواب یعنی آفتاب و ماہتاب اور گیارہ ستاروں کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھنا سچا ثابت ہوا۔ بعثت سے قبل خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچے خواب ہی آیا کرتے تھے۔

خواب کے لغوی معنی نیند اور سونے کے ہیں البتہ نفسیات میں خواب سے مراد وہ تجربات ہیں جو ہم نیند کے دوران یا نیند جیسی کیفیت میں اس وقت محسوس کرتے ہیں جب ہماری شعوری قوتیں کام کرنا بند کردیتی ہیں۔ بعض ماہرین نفسیات کے نزدیک خواب اوہامی تجربات کا سلسلہ ہے جس میں قدرے ربط

پایا جاتا ہے۔ ورڈزورتھ کے خیال میں خواب محض تخیّل کا کھیل ہوتے ہیں جو بوقت مشاہدہ ہمیں حقیقت نظر آتے ہیں۔ بعض ماہرین کے خیال کے مطابق خواب ہمارے رجحانات کے ترجمان ہوتے ہیں۔ کاہنوں نے خواب کو آسمانی طاقتوں سے منسوب کیا ہے۔ بعض حکماء نے خواب کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ جب انسانی جسم سو رہا ہوتا ہے تو اس کی روح بیدار ہوجاتی ہے اور وہ ہر اس جگہ پہنچ سکتی ہے جہاں خود انسانی جسم جا سکتا ہے حتیٰ کہ وہ ہر اس شے کو دیکھ سکتی ہے۔ چھو سکتی اور پہچان سکتی ہے جسے عالم بیداری میں جسم دیکھ سکتا ہے چھو سکتا ہے اور پہچان سکتا ہے۔ سچ پوچھئے تو خواب اس سے بھی آگے کا امکان پیدا کر دیتے ہیں۔

یونانی حکیم افلاطون کا قول ہے کہ جب روح کا عقلیت والا حصّہ خوابیدہ ہوتا ہے تو اس کا بہیمانہ حصّہ آسودہ اور بیدار ہوجاتا ہے۔ اس حالت میں وہ بالکل آزاد ہوتا ہے اور وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ارسطو کے خیال میں خواب کوئی مابعدالطبیعاتی مسئلہ نہیں۔ بلکہ ایک نفسیاتی وقوعہ ہے۔ اس کے نزدیک مافوق الفطرت عناصر سے خوابوں کا کوئی تعلق نہیں۔ البتہ وہ اس خیال کا داعی ہے کہ خواب ایک شخص کی نفسی کارکردگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ اور اس سے بعض بیماریوں کی تشخیص بھی کی جا سکتی ہے۔ فرائیڈ کے خیال میں خواب انسان کی دبی ہوئی خواہشات کے ابھرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کا فلسفی ژونگ اپنا نظریہ خواب پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ خواب وہ چھوٹا سا چور دروازہ ہے جو روح کے نہاں خانوں میں کھلتا ہے۔ ایک یہ نظریہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ کہ خواب ایک فعل ہے جس کا تعلق مغز سر سے ہے۔ علماء یورپ کا یہ خیال ہے کہ انسان شروع سے جو کچھ دیکھتا رہا ہے اس کی صورتوں کے نقوش اس کے دماغ

یہ رہ جاتے ہیں اور یہی نقوش دوبارہ خواب میں نظر آتے ہیں۔ بعض حکماء نے خواب کو موسمی اثرات کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ابن عربی کے خیال میں عالم ناسوت سے قطع نظر ایک عالم مثال بھی ہے چنانچہ خواب میں نظر آنے والی اشیاء عالم مثال ہی کے مظاہر ہوتے ہیں۔

برگسان کا قول ہے کہ فرد جو کچھ سیکھتا یا یاد کرتا ہے وہ اسے بھولتا نہیں بلکہ اسی کی یاد ناقابلِ تقلیل بن جاتی ہے۔ البتہ بیداری کے وقت شعوری قوتیں انہیں دبائے رکھتی ہیں۔ مگر جب شعوری قوتیں سو جاتی ہیں تو یادداشت پہ مبنی خیالات اور تصورات جیل کے قیدیوں کی مانند لاشعوری جیل سے نکل بھاگتے ہیں اور ذہن میں ایک طوفان بپا کر دیتے ہیں۔ فرائیڈ نے خواب کی ماہیت کے بارے میں اپنا حرکیاتی نظریہ پیش کرتے ہوتے خوابوں کو لاشعوری مظاہرات کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

خوابوں کا ایک وقوفی نظریہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں کے نزدیک نیند کے دوران چونکہ شعوری قوتیں خوابیدہ ہوتی ہیں اس لئے وہ داخلی اور خارجی ہیجات کا صحیح ادراک کرنے میں ناکام رہتی ہیں اس طرح نیند کے دوران پیش آنے والے یہی التباسی اور اوہامی تجربات خواب کہلاتے ہیں۔ خواب کوئی جسمانی فعل نہیں بلکہ بالعموم نفسیاتی عمل ہوتے ہیں وقوفی نظریہ کے مطابق خواب انسانی نفس کی ست ہراہ ہوتے ہیں۔

خواب درحقیقت خیال ہی کی ایک معنوی صورت ہے۔ جبکہ خود خیال انسانی روح کا خاصا اور فعل ہے۔ انسانی خیال کو کسی مقام تک پہنچنے کے لئے کسی خارجی محرک کی احتیاج نہیں ہوتی۔ خیال آنِ واحد میں کسی دیکھی یا اَن دیکھی شئے کا تصور کر سکتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا شئے متخیلہ انسان کی نظروں کے

سامنے ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ یہ بات کسی وہم یا جنون کا نتیجہ ہو بلکہ فی الواقع متخیلہ شئے کا اصل نقشہ انسانی نظروں میں سما جاتا ہے۔ چنانچہ خواب میں دیکھی ہوئی شئے کا جب عینی مشاہدہ کیا جاتا ہے تو خواب اور حقیقت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

خواب خاص عطیہ ربانی ہے۔ خواب مکان و لامکان کی سیر کا رُوحانی ذریعہ ہے۔ خواب زمان و مکان کی حدود کو توڑ کر ہر زمان و مکان تک رسائی کا پُر اسرار راستہ ہے۔ خواب علم لَدُنّی کے حصُول اور علم غیب کی دولت سے مالامال ہونے کا ناقابل فہم واسطہ ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ خواب کی حالت میں انسانی دماغ میں تمام کائنات سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ خواب کے دوران لوحِ دل پہ مظاہر فطرت کے نقوش اُبھرنے لگتے ہیں۔

خواب اور حقیقت ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں۔ خواب ذوق اور وجدان سے تعلق رکھتا ہے جبکہ حقیقت کا تعلق عینی مشاہدہ سے ہوتا ہے اگر انسانی آنکھ کام نہ کرے تو سامنے پڑی ہوئی شئے بھی دکھائی نہیں دیتی مگر نظر نہ آنے کے باوصف وہ شئے اُپنے مقام پر موجود ہوتی ہے۔ بعینہٖ اگر ذوقِ سلیم اور وجدان حاصل نہ ہو تو خواب میں کسی انسان کو کسی لطیف شئے کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات کی ہر شئے ہر دوسری شئے کے بالکل سامنے ہے۔ ہماری تصویر اگر دو گز کے فاصلہ پر پڑے ہوئے آئینہ میں اُتر سکتی ہے تو وہی تصویر دُور افتادہ آئینہ تک بھی سفر کر سکتی ہے۔ ایک آفاقی قانون کے مطابق تمام مظاہر فطرت سے خاص قسم کی شعاعوں کے اخراج کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے اور یہ شعاعیں چاروں سمت محوِ سفر رہتی ہیں۔ دورانِ سفر ہر سطحِ مظہر پہ ان کا عکس اُجاگر ہونے لگتا ہے۔

یہ حقیقت بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہماری کائنات لطیف لہروں (ایتھر ویوز) سے بھرے ہوئے ایک خول میں ملفوف ہے۔ ہر شے کی تشبیہہ انہی لہروں کے توسط سے سفر کرتی ہے۔ انسان کا دل بھی ایک آئینہ کی طرح کام کرتا ہے۔ اگر دل کا آئینہ مصفّٰی اور مجلّا ہو تو وہ دور و نزدیک کی متخیلہ اشیاء کا عکس وصول کرنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبھی ہمارا خیال خود سفر کرتا ہے اور متخیلہ شئے تک پہنچ جاتا ہے اور دل پر اس کا عکس اُجاگر کرنے لگتا ہے اور کبھی خود کسی خاص شئے کے وجود کی لہریں مشیتِ ایزدی کے تحت کسی خاص دل پر پڑنے لگتی ہیں۔ نتیجتہً اس دل پر اس شئے کا نقش متشکل ہونے لگتا ہے۔

انسانی خیال وقت کے ایک خاص لمحہ میں صرف ایک مخصوص سمت میں سفر کرتا ہے۔ تاہم وقت کی مختلف ساعات میں وہ مختلف سمتوں میں بھی سفر کر سکتا ہے اس فطری اصول کے مطابق وقت کے ایک خاص لمحہ میں صرف ایک ہی مخصوص مظہر کا نقشہ انسانی دل پر اُتر سکتا ہے۔ چونکہ بیداری کی حالت میں انسان دُنیاوی تفکرات کی وجہ سے پریشان خیال رہتا ہے چنانچہ اس حالت میں اس کی توجہ کا ارتکاز کمزور ہوتا ہے۔ مگر خواب کی صورت میں دُنیاوی مصروفیّت اور الجھاؤ باقی نہیں رہتے۔ لہٰذا انسانی دل انتشار سے قدرے پاک ہوتا ہے۔ یکسوئی بڑھ جاتی ہے نتیجتہً خواب کی حالت میں انسانی خیال اپنے فطری میلان کے مطابق اپنے پسندیدہ مظاہر کی طرف رجعت اختیار کرتا ہے۔ یوں بعض اشیاء کا عکس انسانی دل پر نمایاں ہونے لگتا ہے۔ تاہم دل اس خوابی مشاہدہ سے اُسی طرح تاثر قبول کرتا ہے جس طرح وہ کسی شے کی حقیقی موجودگی کی صورت میں متاثر ہوتا ہے۔

ایک روشن اور بیدار خیال کی رسائی کہاں تک ممکن ہے۔ اِس

حقیقت کا اندازہ لگانا عام انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ عالم برزخ ارض وسما لوح وقلم کرسی وعرش حشر ونشر انبیاء و اولیاء ازل وابد حتیٰ کہ خالق کائنات تک انسانی خیال کو رسائی حاصل ہوسکتی ہے اور اسے ان مظاہر کا ادراک ہو سکتا ہے۔ ایک بندہ حق کے دل پہ تمام فطری مظاہر کے نقوش انعکاس پذیر ہو سکتے ہیں۔

لیکن خواب کی حقیقت ان تمام اقوال سے بھی بالاتر ہے۔ خواب درحقیقت سماوی اطلاع ہوتے ہیں جن کے ذریعے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو بشارت دیتے ہیں۔ یا انہیں تنبیہہ کرتے ہیں۔ تاکہ وہ گناہ اور نقصان سے محفوظ رہیں۔ اور عبادت اور نیکی کو اختیار کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے گو میرے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہوچکا ہے۔ تاہم سلسلہ مبشرات قائم رہے گا۔ مبشرات سے مراد نیک لوگوں کے خواب ہیں۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ خواب عجائبات قدرت میں سے ایک عجوبہ ہے جو خیر وشر کی اطلاع دیتا ہے۔

قرآن وحدیث اور اقوال بزرگان کی رو سے رویائے صادقہ ایک مسلم حقیقت ہے۔ رویائے صادقہ کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ کبھی جسمانی تعلقات سے آزاد ہوکر عالم قدس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ اسے رُوحانی مناسبت ہے۔ البتہ عالم قدس میں تمام حقائق موجود ہیں جب انسانی نفس اس میں سے کسی غیبی امر کا ادراک کرتا ہے تو اسے قوت متصرفہ ایک واقعہ کی شکل میں پیش کرتی ہے۔ تاہم کبھی یہ اطلاع بالکل اصل شکل میں ہوتی ہے مگر بعض اوقات یہ مجاز کی صورت میں بھی اپنا تحقق کرتی ہے۔ یاد رہے کہ نفس انسانی یا نفس ناطقہ کا دوسرا نام روح ہے جو ایک لطیف جوہر ہے اور

انسان کے جسم کا مددگار ہے۔

بعض ماہرین نفسیات کے خیال میں خواب کاری ایک مخصوص عمل ہے جو کئی ایک ذیلی اعمال پر مشتمل ہوتا ہے۔ خواب میں ذاتی اشاریت ایک فرد کے ذاتی معاملات کی عکاس ہوتی ہے۔ خواب میں مشاہدہ کیے جانے والے اشاروں اور علامات کی اہمیت مسلمہ ہے۔ علامات در اصل مفہوم اشیاء کی ترجمان ہوتی ہیں۔ مگر یاد رہے کہ ہر فرد کا معاملہ منفرد ہوتا ہے۔ بعض دفعہ انسانی خواہشات اداکاری کرتی ہیں اور ان کا انداز بھی نرالا ہوتا ہے۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ ایک ہی علامت دو یا دو سے زیادہ چیزوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن کبھی ایک ہی چیز دو یا دو سے زیادہ علامات کا مظہر بن جاتی ہے مثلاً خواب کے دوران کسی شخص کو ایک دوسرے بیوقوف شخص کی داڑھی کے ساتھ دیکھنا وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ خواب کیوں اور کیسے آتے ہیں۔ فلاسفہ کے نزدیک خواب آنے کی وجہ یہ ہے کہ مرطوب انجرے بدن سے دماغ کی طرف چڑھتے ہیں۔ بایں سبب انسان کو مختلف خواب نظر آتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ جب روح حواس کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے تو پھر آدمی کو خواب نظر آتے ہیں۔ بعض حکماء کے خیال میں خواب ایک دماغی اور طبعی عمل ہے۔ اس سے انسانی قویٰ کو سکون ملتا ہے۔ خصوصاً قویٰ فکر و تخیل کو راحت ملتی ہے۔ کیونکہ ان ہر دو کا تعلق روح نفسانی سے ہے لہذا خواب سے روح نفسانی راحت پاتی ہے۔

یاد رہے کہ ہر خواب کے محرکات اور اسباب ہوتے ہیں اور ہر خواب کی کوئی نہ کوئی تعبیر بھی ہوتی ہے۔ جس طرح انسان کے ظاہری

حواسِ خمسہ ہیں۔ اسی طرح وہ رُوحانی حواس بھی رکھتا ہے۔ انسان کے رُوحانی حواس عالم مثال کی اشیاء کو بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جبکہ اس کے ظاہری حواس صرف کائناتِ ارضی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ البتہ خواب کے دوران انسان جن واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے اُن کا تعلق اس کے رُوحانی حواس سے ہوتا ہے۔ عالم مثال میں ماضی حال اور مستقبل کی تصویریں موجود رہتی ہیں۔ چنانچہ اس واسطے انسان بحالتِ خواب ہر زمان و مکان کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ابنِ عربی کے قول کے مطابق ماضی، حال اور مستقبل کے تمام واقعات خدا تعالیٰ اور اس کے مقرب فرشتوں کے علم میں موجود ہیں۔ نفسِ انسانی بارگاہ قدس اور فرشتوں کی طرف طبعاً مائل ہے اور عالمِ قدس کی طرف سے بخل بھی نہیں بلکہ درِ فیض ہر وقت کھلا ہے۔ انسان میں صرف حصول کی استعداد ہونی چاہیئے۔ چنانچہ جب انسان سو جاتا ہے اور تدبیر بدن سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس حالت میں اس کا نفس بعض غیبی امور کا مشاہدہ کرتا ہے اس کے بعد اس کی قوتِ متخیلہ بیدار ہو جاتی ہے اور اُن اُمور کو کسی مناسب قالب میں ڈھال کر اس کا نقش حِسّ مشترک پر بناتی ہے یہ نقش کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی برنگِ مجاز۔ نفسِ ناطقہ کو عالم قدس سے خاص مناسبت ہے۔ چنانچہ وہ بحالتِ خواب اس کا ادراک کر سکتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جب انسانی روح کو حجابات سے فرصت ملتی ہے تو وہ اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس پر مخزنِ جود و خیر سے کمال علمی کا فیضان ہو۔ خواب انسان کے لئے اسی نوع کی روحانی تعلیم کا ذریعہ ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ ابن خلدون کے خیال میں نفس ناطقہ بوقت خاص اپنے

نفس (روحانی ذات) میں دیکھ لیتا ہے۔ جب انسانی نفس روحانیت سے متصف ہوتا ہے تو اس وقت دیگر ذواتِ روحانیہ کی طرح اس میں بھی مظاہرِ کائنات کی صورتیں موجود ہوتی ہیں۔ البتہ یہ کیفیت اسے اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ موادِ جسمانی سے مجرد ہو۔ چونکہ نیند میں بھی یہ تجرد اسے میسر آ سکتا ہے۔ چنانچہ اس صورت میں وہ مستقبل کے واقعات کا اقتباس کر سکتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں پہلی قسم کے خواب صریح الدلالت کہلاتے ہیں۔ ایسے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ خواب کی دوسری قسم سچے خواب ہیں جو ملائکہ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ تاہم ایسے خوابوں کی تعبیر ضروری ہوتی ہے۔ خوابوں کی تیسری قسم ایسے خوابوں پر مشتمل ہے جو واہی تباہی خواب کہلاتے ہیں۔

خوابوں کی گروہ بندی ایک اور طرز پہ بھی کی جاتی ہے۔ یعنی عام آدمیوں کے خواب، متقی لوگوں کے خواب، انبیاء کے خواب اور بادشاہانِ وقت کے خواب۔ البتہ ان مختلف افراد کے خوابوں میں غایت درجہ کا فرق ہوتا ہے۔ اور تمام لوگوں کے خواب یکساں نوعیت کے حامل نہیں ہوتے۔ حتیٰ کہ ان کے خوابوں کی تعبیر بھی ایک جیسی نہیں ہوتی۔ چھوٹے خواب کا تعلق صرف عام آدمی کی زندگی سے ہوتا ہے مگر عظیم خواب جو کسی درویش یا حکمرانِ وقت کو آتے ہیں۔ اُن کا تعلق ملک و قوم سے ہوتا ہے۔

صالحین کے خواب بے شک ان کے لئے بشارت ہوتے ہیں۔

رویائے صادقہ کے دوران نہ صرف آنے والے واقعات کی تصویر بلکہ داستانِ ماضی کی جھلک بھی ایک فقیر کے آئینہ دِل پہ اُتر سکتی ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک رویائے صادقہ صرف وہی انسان دیکھ سکتے ہیں جو فطرتاً متقی اور پرہیزگار ہوں۔ ایسے برگزیدہ بندوں کو عالمِ قدس کی اشیاء بحالتِ خواب نظر آسکتی ہیں۔ درحقیقت رویائے صادقہ منجملہ آثارِ نبوت ہوتے ہیں۔ لیکن یہ فضیلت ہر ایک کے نصیب میں نہیں۔ بقول ایک شاعر ؎

یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

یہ بات بھی ملحوظِ خاطر ہے کہ تمام خواب رویائے صادقہ نہیں ہوتے۔ کیونکہ بعض خواب محض دن کے خیالات کا نتیجہ ہوتے ہیں متکلمین کا گروہ رویائے صادقہ کو بھی تسلیم نہیں کرتا۔ ان کے خیال میں ملائے اعلیٰ سے علمی فیضان ممکن نہیں۔ وہ خواب کو ایک باطل خیال تصور کرتے ہیں۔ تاہم بعض متکلمین کے خیال میں رویائے صادقہ فی الواقع ادراکِ حقیقی کا درجہ رکھتے ہیں۔

بعض برگزیدہ ہستیوں نے عالمِ ملکوت کی بعض کیفیات کا بحالتِ خواب مشاہدہ فرمایا مگر مصلحتاً خاموشی اختیار کی۔ لیکن کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فضل و کرم سے اپنے کسی بندے کو کائنات کے تکوینی امور سے بذریعہ خواب آگاہ فرمادیں۔ مستزاد یہ کہ ان روحانی مشاہدات کے اظہار کی توفیق بھی ارزاں فرمادیں۔

ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۝

(ل) خواب میں ملاقات

کسی عام فوت شدہ شخص سے ملاقات تو ہر شخص کو ہو سکتی ہے اس کا مذہب عقیدہ اور کردار سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اخص لوگوں سے ملاقات عام طور پر اخص لوگوں کو ہی ہو سکتی ہے۔ آئندہ چند صفحات میں ایسی ہی خوابی ملاقاتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں

خواجہ معین الدین چشتیؒ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ ہندالولی اور خواجہ خواجگان کے القابات سے بھی پکارے جاتے ہیں۔ آپ کے آستانہ عالیہ پر نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، سکھ، عیسائی غرضیکہ ہر مسلک کے لوگ ازراہ عقیدت حاضر ہوتے ہیں۔

اولیائے عظام کے تذکروں میں منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ اپنے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونیؒ کی معیت میں عازم مدینہ ہوئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اپنے شیخ کے فرمان کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کرتے ہوئے آپ نے یوں عرض کیا۔ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبِیْ" یعنی اے ابا جان آپ پر سلام ہو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب میں فرمایا گیا "وَعَلَیْكُمُ السَّلَامُ یَا بُنَیَّ" یعنی اے بیٹے تم پر بھی سلام ہو۔

خواجہ موصوف نے اکیس روز تک روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قیام فرمایا اور ہر رات خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا

شرف حاصل کیا۔ آخری شب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجمیر شریف جانے کا حکم ہوا۔ چونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی گوارا نہ تھی، بدیں جہت مدینہ منورہ چھوڑنے کے لئے خواجہ موصوف آمادہ نہ تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی شب خواب میں حضرت اجمیری سے فرمایا "بیٹے معین الدین! اجمیر جاؤ اور ہمارا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ۔ تمہارا جب جی چاہے گا تمہیں ہماری زیارت ہو جائے گی۔"

حضرت اجمیریؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اجمیر شریف پہنچا تو وہاں کے خشک پہاڑوں سے مجھے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی عظمت نظر آئی۔ اور جب میں نے وہاں کے مرغزاروں کو دیکھا تو مجھے مدینہ منورہ کے سبزہ زاروں کی بہار دکھائی دی۔ کرم بالائے کرم یہ کہ میں نے جب بھی خواہش کی مجھے خواب میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

حضرت امام شرف الدین بوصیریؒ کی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں ملاقات

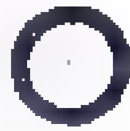
حضرت امام شرف الدین بوصیریؒ ایک بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ آپ مرضِ فالج میں مبتلا ہو گئے۔ ہر چند کہ علاج معالجہ کیا گیا، مگر افاقہ نہ ہوا۔ مایوسی حد سے بڑھ گئی۔ مزید تدبیری کوششوں کو ترک کر دیا گیا۔ ایک رات امام موصوف کے دل میں اچانک خیال پیدا ہوا کہ کیوں نہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عمومی کو پکارا جائے۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں درد بھرے انداز میں ایک قصیدہ عربی زبان میں رقم کیا۔ جو قصیدہ بُردہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ قصیدہ امام موصوف نے ایک خصوصی محفل میں محبت آمیز لہجہ میں پیش کیا۔

امام بوصیریؒ کی التجا بارگاہ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم میں قبول ہوئی۔ ان کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ امام موصوف ایک رات خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہوا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام بوصیری سے فرماتے ہیں کہ بوصیری! جو قصیدہ تم نے ہماری شان میں لکھا ہے وہ ہمیں بھی سناؤ۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں امام موصوف نے وہ قصیدہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ قصیدہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ آپ نے امام بوصیری کی بحالیٔ صحت کے لئے خصوصی دعا فرمائی اور تحفہ کے طور پر ایک بُردہ یعنی چادر بھی مرحمت فرمائی۔ خواب ختم ہونے پر جب امام بوصیری بیدار ہوئے تو خود کو مکمل طور پر صحت یاب پایا۔ فالج کا مرض دور ہو چکا تھا حتیٰ کہ چادر کا تحفہ بھی ان کے پاس موجود تھا۔ اس لئے اس قصیدہ کو قصیدۂ بُردہ (چادر والا قصیدہ) کہا جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ بارگاہِ غوثیت میں

حضرت میاں غلام علی جو عرفِ عام میں حضرت سلطان باہوؒ کے نام سے مشہور ہیں اپنے دور کے باکمال درویش ہوئے ہیں۔ آپ مادر زاد ولی اللہ تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی ادائیں نرالی تھیں۔ ان کے باطنی حسن کا یہ عالم تھا کہ جو بھی غیر مسلم انہیں ایک بار دیکھ لیتا فوری طور پر مسلمان ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ گڑھ مہاراجہ کے بڑے بڑے سکھ پیشوا آپ کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ جب آپ جوان ہوئے تو والدہ نے روحانی نسبت کے لئے کسی مردِ کامل کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا۔ مگر آپ

جس بزرگ کے پاس بھی جاتے وُہ اپنی معذوری کا اظہار کرتا۔ کیونکہ وہ آپ کے رُوحانی کمالات کو دیکھ کر خود حیران رہ جاتا تھا۔ ایک رات خواب میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ موصوف نے کمال شفقت سے آپ کو اپنی روحانی ادارت میں قبول فرمایا۔ چنانچہ بحالت خواب آپ کی روحانی تربیت کا سلسلہ جاری ہوا تاآنکہ آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں رسائی حاصل ہوئی اور نتیجتاً آپ تصوف و معرفت کے افق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکنے لگے۔



ب۔ فقیر مؤلف کی سلف صالحین سے چند خوابی ملاقاتیں

بزرگانِ کرام اپنے عقیدت مندوں اور محبّت کرنے والوں کو اپنے وصال کے بعد بھی کئی اعتبار سے نوازتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں کتبِ تصوّف اور روایات میں بے شمار واقعات ملیں گے۔ جن سب کا احاطہ یہاں مشکل ہے۔ میں (مؤلف) صرف ان چند واقعات کا ذکر کر رہا ہوں۔ جو میرے ذاتی تجربے اور مشاہدے میں آئے ہیں۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی محفل کی ایک جھلک

فقیر مؤلف نے عالم رؤیا میں دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم ایک خوبصورت مسجد کے محراب میں تشریف فرما ہیں۔ دائیں جانب پانچ اصحاب بیٹھے ہوئے ہیں۔ جبکہ پانچ اصحاب سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بائیں جانب حاضرِ خدمت ہیں۔ ایک عاشقِ زار آپ کو سنہری پنکھا جھل رہا ہے۔ فقیر (مؤلف) صف اوّل میں دائیں جانب آخر پر بیٹھا ہوا ہے اس کے دل میں یہ ارمان مچلنے لگتے ہیں کہ کاش وہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کھڑا ہو کر آپ کو پنکھا جھلتا۔ فرطِ محبّت میں اس کی چیخ نکل جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم اس کی طرف آنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حرکت فرمانے سے قبل ہی فقیر تیزی سے آپ کے حضور پہنچ جاتا ہے اور آپ کے دونوں گھٹنوں کو اپنے ہاتھوں میں تھام لیتا ہے۔ اس کے زار و قطار آنسو جاری ہیں۔ دریں اثنا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مبارک ہاتھوں میں لے لیتے ہیں۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ یا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیریں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سر پر سات بار اپنا دست شفقت پھیرتے ہیں۔ فقیر پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد آپ مسجد کے دائیں جانب ایک دروازے سے گزر کر ایک باغ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ فقیر بھی دس عاشقانِ زار کے ہمراہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں ایک خاص مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اسی اثناء میں فقیر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ بیدار ہونے پر وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔ بنابریں کہ اسے اتنی عظیم سعادت سے سرفراز کیا گیا ہے

ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

حضرت غوث الاعظم کی ایک محفل

فقیر مؤلف نے ایک خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ایک خوبصورت باغ میں تخت پر تشریف فرما ہیں۔ آپ کے سامنے دس ہزار عقیدتمندوں کا روحانی اجتماع ہے۔ اسی طرح دائیں اور بائیں جانب بھی بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ اعلان فرماتے ہیں۔ کہ وہ احباب جنہوں نے اسی سال حج کی سعادت حاصل کی ہے ان کے پاس آجائیں۔ یہ اعلان سنتے ہی مجمع میں سے چھ افراد آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شیخ موصوف پہلے ایک شخص کو اپنے پاس بلاتے ہیں۔ اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تجھے حج کے موقع پہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے

کیا تحفہ ملا۔ وہ شخص سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عطا کردہ ایک ملفوف تحفہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ حضرت غوث الاعظم اس تحفہ کو بوسہ دیتے ہیں اور ایک تحفہ اپنے پاس سے بھی عنایت فرماتے ہیں۔ آپ کے دائیں جانب ایک بہت بڑا چبوترا ہے۔ آپ اس شخص کو اس پہ بیٹھنے کا اشارہ فرماتے ہیں چنانچہ وہ شخص وہاں جاکر بیٹھ جاتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس آپ تمام احباب کو اپنے پاس بلاتے ہیں ہر ایک کے تحفہ کو بوسہ دیتے ہیں اور اپنی طرف سے بھی انہیں تحائف سے نوازتے ہیں۔

سب سے آخر پہ فقیر مؤلف کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اپنے پاس بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تحفہ ملا فقیر کے پاس ایک چھوٹا سا لفافہ ہوتا ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اسے تحفہ کے طور پر عنایت فرمایا گیا تھا۔ فقیر وہ تحفہ شیخ موصوف کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ آپ اس تحفہ کو بوسہ دیتے ہیں اور دوسروں کی طرح اسے بھی ایک تحفہ اپنی طرف سے عنایت فرماتے ہیں اور ساتھ ہی چبوترے پر بیٹھ جانے کا اشارہ کرتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ ان تحائف کو نوش جان کرنے کا حکم دیتے ہیں کیونکہ یہ سب تحائف کھانے پینے کی چیزوں پر مشتمل تھے۔ ہم تحائف پانے والے چھ احباب کھانے پینے کی اشیاء کو کھانا شروع کر دیتے ہیں اور تیس ہزار افراد کا مجمع ہمیں رشک بھری نظروں سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

ایک دُعائیہ محفل

عالم رؤیا میں فقیر مؤلف نے دیکھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ فقیر مؤلف کے درویش خانہ واقع خیابان

۹/۹۳ ایل ساہیوال پر تشریف لائے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دائیں طرف تشریف فرما ہیں جبکہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر بائیں جانب دو زانوں بیٹھے ہوئے ہیں۔ فقیر دونوں بزرگوں کے پیچھے باادب کھڑا ہے۔ تھوڑی دیر کے لعد وہ مصروف دُعا دکھائی دیتے ہیں۔ فقیر ان کے ہر دُعائیہ فقرہ پر آمین کہے جاتا ہے۔ تقریباً نصف گھنٹہ تک دُعا کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دُعا کے خاتمہ پر شیخین کریمین درویش خانہ سے تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ ان بزرگوں کی دُعاؤں کا اعجاز ہے کہ فقیر کا درویش خانہ آباد ہو چکا ہے۔

فقیر مؤلف کی اپنی والدہ مرحومہ سے ایک ملاقات

۱۹۸۸ء میں فقیر مؤلف کو پیشاب کا عارضہ لاحق تھا۔ بیماری کی صحیح تشخیص نہیں ہو رہی تھی۔ جملہ طبیب بھی پریشان تھے۔ ایک رات فقیر خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ والدہ ماجدہ اس کے پاس تشریف لاتی ہیں۔ فقیر بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہے۔ والدہ مرحومہ اس کی ٹانگیں دبانا شروع کر دیتی ہیں۔ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا اور والدہ کو ٹانگیں دبانے سے منع کرتا ہے۔ مگر والدہ بزرگوار اسے خاموش رہنے کی تلقین فرماتی ہیں۔ دوران گفتگو فرماتی ہیں کہ علم الدین! تجھے دِل کا عارضہ ہے نہ گُردوں کی بیماری۔ صرف تبخیر معدہ کا نقص ہے۔ معمولی دوائی کا بہانہ بنالو مکمل شفاء نصیب ہوگی۔ بیدار ہونے پر فقیر بہت خوش تھا کہ اسے بیماری کی صحیح تشخیص میسر آئی۔ چند روز بعد وہ دِل اور گُردوں کا طبی معائنہ کرواتا ہے جو درست پائے گئے۔ بعد ازاں معمولی دوائی کے استعمال سے فقیر کو صحت کاملہ نصیب ہوئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

فقیر مؤلف کی علامہ اقبال مرحوم سے ایک ملاقات

فقیر مؤلف سنہ ۱۹۶۶ء میں امتحان ایم اے اردو کی تیاری میں مصروف تھا۔ اقبالیات کا پرچہ قدرے مشکل دکھائی دیتا تھا۔ علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کی تو بالکل سمجھ نہیں آرہی تھی۔

ع "اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے"

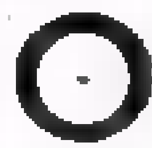
ایک شب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہوا کہ بوقت تہجد عالم رؤیا میں فقیر خود کو حضرت اقبال کے حضور موجود پاتا ہے اور بعد احترام عرض کرتا ہے کہ علامہ صاحب آپ کے فلسفۂ خودی کی کچھ سمجھ نہیں آرہی۔ مجھ ناچیز پر نظر شفقت فرمایئے اور اپنے فلسفۂ خودی سے آگاہ کیجئے۔ علامہ موصوف فرمانے لگے کہ بیٹے ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ آنا۔ فقیر حسب ارشاد دوبارہ حاضر خدمت ہوتا ہے۔ علامہ موصوف اپنے مزار مبارک کے شرقی جانب واقع سبزہ زار میں بیٹھ جاتے ہیں۔ اور فقیر سے اپنے فلسفہ خودی کے بارے میں آدھ گھنٹے تک گفتگو فرماتے ہیں۔ آخر پر پوچھتے ہیں کیوں بیٹے کچھ سمجھ میں آیا۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ علامہ صاحب! آپ کی توجہ کے فیضان سے مجھے فلسفۂ خودی کی مکمل طور پر سمجھ آگئی ہے۔ اس خواب کے بعد علامہ صاحب کی کسی بھی کتاب کا مطالعہ فقیر کے لئے چنداں مشکل نہ رہا۔ ایم۔ اے اردو کے پرچہ اقبالیات میں فقیر نے اکسٹھ فی صد نمبر حاصل کیے۔ مزید برآں علامہ صاحب کے ہزاروں اشعار غیر ارادی طور پر فقیر کو ازبر ہو گئے۔

پچاس ہزار دوستوں کی اجتماعی دعا کا منظر

بحالت رؤیا دیکھا گیا کہ پچاس ہزار نفوس قدسیہ کا کسی خوبصورت

مقام پر اجتماع ہے۔ ان میں سے بعض حضرات نے فقیر مؤلف سے عالم لطافت کے بارے میں تقریر کرنے کو کہا۔ مگر وہ عرض کرتا ہے کہ مجھ میں حوصلہ اور ہمت کہاں کہ عالم لطافت پر لب کشائی کر سکوں۔ تاہم حاضرین محفل تقریر کرنے پر مصر رہے۔ اس پر فقیر عرض کرتا ہے کہ اچھا دوستو! آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بات کرنے کا قرینہ عطا فرمائے۔ اگلے ہی لمحہ فقیر کیا دیکھتا ہے کہ پچاس ہزار احباب اس کے حق میں دعا کر رہے ہیں۔ پندرہ منٹ تک دعا کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ بعد ازاں فقیر کو تقریر کرنے کے لئے پھر کہا جاتا ہے اس پر وہ اپنے آپ کو تقریر کرنے کے قابل پاتا ہے اور عالم لطافت پر ایک گھنٹہ تک اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے۔ دریں اثناء وہ دیکھتا ہے کہ محفل پر وجد کی کیفیت طاری ہے۔ ہر طرف سے سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں تا دیر حاضرین پہ کیف و مستی کا غلبہ رہتا ہے۔ اس خواب کے بعد فقیر مؤلف کو دلپذیر اندازِ بیان سے نواز دیا جاتا ہے۔

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ"



ج۔ فوت شدگان سے بیداری میں ملاقات

دنیا سے انتقال کرنے والوں کی بعض اوقات بیداری میں بھی زندوں سے ملاقات ممکن ہے لیکن ہر شخص اس کیفیت کا اہل نہیں ہوتا۔ تاہم کتنے ہی ایسے خوش نصیب ہوں گے جنہوں نے سلف صالحین سے جہانِ دنیا میں بیداری کی حالت میں ملاقات کا شرف حاصل کیا ہوگا۔ ایامِ حج میں تو بالخصوص ایسی ملاقاتوں کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ یہ ملاقاتیں ہر زمانے میں ہر خطہ کے لوگوں کو ہوتی رہی ہیں اور ہوتی ہیں۔ یہاں صرف چند مثالیں نذرِ قارئین کی جاتی ہیں

۱۔ شبِ اسریٰ میں انبیاء کا ظہور

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی شب کائناتِ ارضی کو چھوڑ کر لامکان تک پہنچے۔ اس مبارک سفر کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ انبیاء کرام سے بھی ملاقات ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو بارہا آپ کی خدمت میں شرف باریابی پایا۔

ہرچند کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر زمین پر واقع ہے مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات پہلے مسجد اقصیٰ پھر آسمان چہارم اور آخر پر بیت المعمور میں ہوئی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بشری جسم کے ساتھ معراج پر تشریف لے جاتے ہیں جبکہ جملہ انبیاءِ کرام اپنے لطیف اجسام کے ساتھ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔

ب۔ شیخ سعدی کا وفات کے بعد جسم ظاہری میں متمثل ہونا

جیساکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بعض بزرگوں کو حق تعالےٰ نے یہ تصرف عطا فرمایا ہے کہ وُہ جس صورت میں چاہیں ظاہر ہو جائیں۔ اولیائے عظام کے تذکروں میں ایک مشہور واقعہ منقول ہے کہ ایک دفعہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والدگرامی شاہ عبدالرحیمؒ آگرہ میں مقیم تھے۔ قاضی میر زاہد ہرویؒ کے مکان پر ایک خصوصی محفل بپاتھی۔ فقر اور تصوف پر گفتگو ہو رہی تھی۔ شاہ عبدالرحیم نے سعدی شیرازی کی ایک رباعی بطور حوالہ پڑھی۔ مگر رباعی کا چوتھا مصرع یاد نہ آتا تھا۔ (مصرع یہ تھا)

مصرع "علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است"

تیسرے مصرعے پر آکر رک جاتے تھے۔ بہت تنگ ہو رہے تھے کہ دفعتہً ایک شخص کمبل اوڑھے ظاہر ہوئے۔ جب شاہ عبدالرحیمؒ رباعی کا تیسرا مصرع پڑھ چکے تو اس شخص نے برابر سے نکل کر چوتھا مصرع پڑھا۔

مصرع "علمے کہ راہ بحق نہ نماید جہالت است"

بس کھل گئے۔ فوراً کھڑے ہوئے اور اس شخص سے مصافحہ کیا۔ پوچھا آپ کا اسم شریف۔ جواب ملا "فقیر را مصلح الدین شیرازی میگویند" یعنی فقیر کو مصلح الدین شیرازی کہتے ہیں۔ عالم یقظہ میں حضرت سعدیؒ کی روح نے متمثل ہوکر چوتھا مصرع بتادیا۔ یہ آپ کی کرامت تھی جس کا ظہور آپ کے وصال کے بعد ہوا۔

ج۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی نماز میں شمولیت

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اپنے وقت کے باکمال

اور صاحب تصرف بزرگ ہوئے ہیں۔ آپ کا انتقال آپ کی پیش گوئی کے مطابق مقررہ وقت پر ہوا۔ جملہ احباب آپ کے ارتحال پر بہت غمزدہ تھے۔ چند عاشقان زار پر تو عجیب بے قراری کا عالم طاری تھا۔ وصال کے چند دن بعد آپ کی یاد میں ایک خصوصی محفل انعقاد پذیر تھی۔ دریں اثنا نماز فجر کا وقت ہوا۔ چنانچہ امام مسجد کی اقتداء میں جملہ حاضرین نماز میں مصروف ہو گئے۔

حکمت خداوندی کا کرشمہ دیکھئے کہ حضرت مجدد الف ثانی اچانک تشریف فرما ہوئے اور نماز باجماعت میں شامل ہو گئے۔ مگر نماز تمام ہوتے ہی آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ کسی سے مکالمہ کی نوبت نہیں آئی۔ حالت بیداری میں آپ کی زیارت کا یہ منظر دیکھ کر تمام حاضرین محو حیرت تھے البتہ وہ اس بات پر بہت ہی خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے شیخ کی صحبت سے سرفراز فرمایا۔

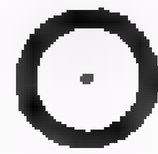
د۔ حکیم فضل الدین کا جسم ظاہری میں جلوہ گر ہونا

حضرت بابا فریدؒ کی نگری پاک پتن شریف سے دس میل کے فاصلے پر ایک تاریخی قصبہ ملکہ ہانس واقع ہے۔ یہ وہی قصبہ ہے جہاں قیام کے دوران سید وارث شاہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب (ہیر) تصنیف کی تھی۔

چند سال پہلے کا واقعہ ہے کہ قصبہ مذکور میں ایک درویش رہتے تھے جو حکیم فضل الدین کے نام سے موسوم تھے۔ حکیم موصوف ۱۹۸۶ء میں حج بیت اللہ کے لئے حرمین شریفین پہنچے۔ مگر مناسک حج کے دوران آپ کا انتقال ہو گیا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ تمام عزیز و اقارب آپ کے اچانک ارتحال پر بہت غمزدہ تھے۔ وفات کے دو سال بعد

حکیم موصوف کے ایک دیرینہ دوست سائیں غلام قادر فریضۂ حج ادا کرنے کے لئے عازم حجاز ہوئے۔ الوداع کے وقت حکیم مرحوم کے ایک صاحبزادے صوفی شفیق احمد بھی سائیں موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ سائیں صاحب! جب آپ مکہ مکرمہ حاضر ہوں تو میرا محبت بھرا اسلام بھی میرے والد مرحوم کی خدمت میں پہنچا دینا۔

حج کے بعد ساہیوال واپسی پر سائیں غلام قادر نے ایک عجیب مشاہدہ جملہ احباب کی موجودگی میں بیان کیا۔ سائیں صاحب نے کہا کہ جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو سب سے پہلے طواف کعبہ کی سعادت حاصل کی اور پھر دیگر مناسک حج ادا کیے۔ بعد ازاں میں نے باآواز بلند یہ کلمات کہے "حکیم فضل الدین صاحب! اپنے بیٹے شفیق احمد کا محبت بھرا اسلام قبول فرمائیے"، یہ کلمات میں نے تین بار دہرائے۔ چند لمحات کے بعد میں کیا دیکھتا ہوں کہ حکیم موصوف میرے پہلو میں تشریف فرما ہیں۔ تا دیر وہ مجھے دیکھتے رہے اور میں ان کی زیارت کے مزے لیتا رہا۔ تاہم کوئی کلام نہیں ہوا۔ اس کے بعد حکیم موصوف اچانک غائب ہو گئے۔ سائیں غلام قادر نے حالت بیداری میں ایسا روحانی مشاہدہ اپنے عزیزوں اور عقیدتمندوں کو محبت بھرے انداز میں سنایا۔ تمام احباب حکیم فضل الدین سے حالت بیداری میں ملاقات کا یہ ماجرا سن کر بہت خوش ہوئے۔



فصل ششم

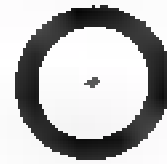
موت کا قبل از وقت علم

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ موت برحق اور اٹل ہے۔ انسان کو موت سے مفر نہیں۔ ہر چند کہ موت کا وقت معیّن ہے اور وہ اپنے وقت سے پہلے نہیں آتی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا قبل از وقت بھی موت کا علم ہو سکتا ہے؟ عقل کہتی ہے "نہیں"۔ مگر دل جواب دیتا ہے "ہاں" ہو سکتا ہے۔

بقول اقبالؒ:

؎ مجھے رازِ دوعالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو سامنے آنکھوں کے آتا ہے

گویا دل میں عقل سے الگ کوئی بات ضرور ہے جو اسے بعض غیبی امور کا علم فراہم کرتی ہے۔ لیکن دل کی اس بات پر کیونکر یقین آئے۔ آئندہ چند اوراق میں دل کی اسی کیفیت کو پیش کیا جاتا ہے۔



عجائباتِ دل

دل نہ جسم است نہ جسمانی است
دل محض قوتِ روحانی است

ترجمہ : دل نہ جسم ہے اور نہ جسم سے اس کا کچھ تعلق ہے بلکہ دل خاص رُوحانی قوت کا نام ہے۔

جان لینا چاہیئے کہ دل محض اس عضلاتی آلہ کا نام نہیں جو انسان کے جسم میں خون کی ترسیل کا کام سرانجام دیتا ہے۔ بلکہ دل ایک حال کا معاملہ ہے۔ قرآن مجید میں دل کو فواد، صدر، قلب اور قلبِ سلیم کے مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ بموجب ایک حدیث مبارکہ قلب ایک جوہر ہے جس کی درستی کے ساتھ تمام بدن کی درستی اور جس کے فساد کے ساتھ تمام بدن کا فساد وابستہ ہے۔

انسان کا دل عالمِ صغیر (انسان) کے لئے بمنزلہ عرش ہے اور وہ عالم کبیر (کائنات) کے عرش کے مشابہ ہے۔ جس طرح انسانی جسم میں آنکھ ایک بصری عضو ہے جو معدہ کی فراہم کردہ خوراک سے نمو حاصل کرتی ہے اسی طرح دل بھی بظاہر ایک عضلاتی آلہ ہے۔ اس کی آبیاری بھی آنکھ کی طرح معدہ سے ہوتی ہے۔ ہر چند کہ ہماری آنکھ کچھ فاصلہ تک چیزوں کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر دل کا خاصا یہ ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں میل تک چیزوں کا ادراک کرسکتا ہے۔ آنکھ میں یہ خوبی ہے کہ وہ خاصیتِ بصر رکھتی ہے تاہم دل کا بھی یہ خاصا ہے کہ وہ قوی تر خاصیتِ بصر رکھتا ہے اگر آنکھ

کی رسائی ایک میل تک ہوسکتی ہے تو دلِ بینا کی رسائی لامکاں تک ممکن ہے وہ لامحدود فاصلہ تک موجود مظاہر کی شبیہی موجوں کو وصول کر سکتا ہے۔ چنانچہ یہی موجیں دوبارہ ایک نئی شبیہہ کی صورت میں انسان کے دل پہ اُجاگر ہو جاتی ہیں۔ اس طرح انسان کو لامحدود فاصلہ پہ اشیاء کا ادراک ہونے لگتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے عرش و ما فیہا کو قلب کے سامنے حقیر گمان کیا ہے۔ انسان کے دل میں عالمِ خلق کے خزانے مخفی ہیں۔ نیز عالمِ امر کے مخفی رموز بھی اس میں موجود ہیں۔ دل کی وسعت کے بارے میں خواجہ میر دردؔ اپنے ان اشعار میں فرماتے ہیں۔

ارض و سماں کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
قاصد نہیں یہ کام تیرا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

عجائبات دل کا نقشہ علامہ اقبالؔ اپنے الفاظ میں یوں پیش کرتے ہیں:

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانۂ دل

تجلیِ ذات دل کا حصّہ ہے اور ہیئت وحدانی کا حصّہ خود انسان کا دل ہے۔ شعور کا تعلق بھی دل سے ہے۔ دل کی اسی خصوصیّت کی وجہ سے انسان عجوبۂ روزگار ہے۔ ہر چند کہ فرشتہ ذاتِ باری تعالیٰ کا مشاہدہ دُور سے کرتا ہے مگر انسان اس ذات کا مشاہدہ اپنے دل میں کرتا ہے۔ اسے یہ دولت جزوِ ارضی کے واسطے سے میسّر آئی ہے۔ بقول مولانا رومیؒ:

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہِ خلیلِ آزر است
دل گزرگاہِ جلیلِ اکبر است

یعنی دل اللہ تعالیٰ کی گزرگاہ ہے۔ جو شخص دل کی حقیقت کو پاگیا گویا وہ رازِ ہستی کو پاگیا۔

دل کے پیغام وصول کرنے کا طریقہ بھی نرالا ہے۔ وہ علاماتی طور پر پیغام وصول کرتا ہے۔ یہ علامات خوشی غم یا حیرت کے جذبات کی صورت میں انسان کے دل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ دل ان جذبات کی لہروں کو خیالات میں مبدل کرتا ہے۔ آخرکار یہی خیالات صوتی حرکات اور الفاظ کی ہیئت اختیار کر لیتے ہیں اور انسان کے منہ سے آواز کی صورت میں نکل کر کوئی فقرہ یا عبارت بن جاتے ہیں۔ تاہم دل کی بیداری اور درستی ناگزیر ہے۔ اگر دل درست حالت میں ہو تو وہ درست پیغام وصول کرتا ہے البتہ پریشان اور مکدر دل میں کچھ القا نہیں ہوتا۔ دل کے پیغام وصول کرنے کی یہ صلاحیت کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کا خصوصی فضل و کرم شاملِ حال ہو تو یہ خوبی کسی بندۂ حق میں پیدا ہو سکتی ہے۔

تاہم دل کے تصفیہ کے لئے چند اصول بھی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اس ضمن میں عبادات کو سب سے مقدم قرار دیا گیا ہے۔ جب بندۂ مومن عبادات میں شاغل ہوتا ہے تو اس کی روح عرشِ عظیم تک پہنچ سکتی ہے۔ اس حالت میں اس کا آئینۂ دل لوحِ محفوظ سے انعکاس پذیر ہونے لگتا ہے اسی طرح اہلِ دل کی صحبت اختیار کرنے سے بھی دل کی بیداری ممکن ہے۔

بقول ایک شاعر :

؎ تو دلِ خود را دلے پنداشتی
جستجوئے اہلِ دل بگزاشتی

ترجمہ : کیا تو نے اپنے گوشت سے عبارتِ دِل کو دِل تصوّر کر لیا ہے جبکہ حقیقت کچھ اور ہے۔ صد افسوس کہ تو نے اہل دل کی جستجو اور صحبت اختیار نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنے نفس کو رذائل سے پاک کر لیتا ہے تو اس کے دل کا آئینہ جگمگا اٹھتا ہے اور وہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ لوح محفوظ سے انعکاس پذیر ہو سکے حتیٰ کہ غیب کے معاملات سے باخبر ہو جاتا ہے۔ دل کی اس صلاحیت کی بدولت حضراتِ صدیقین خواب میں مکالمہ اور محادثہ سے نوازے جاتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ انہیں احکامات دیتے ہیں اور کچھ امور سے انہیں روکتے ہیں۔ یہ حضرات خواب ہی میں ان باتوں کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ کے ذکر سے بھی دل میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت سے دل کی کیفیّت ہی بدل جاتی ہے۔

کائنات کی مرتّب شدہ روئیداد کا نام تقدیر ہے جو لوح محفوظ پہ مرقوم ہے اگر اللہ تعالےٰ کسی بندے کو نوازنے پہ آئیں تو نہ صرف لوح محفوظ کے تمام حجابات اُٹھنے لگتے ہیں بلکہ ساری کائنات ایک کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے ہوتی ہے اور غیب کا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے۔

ہر چند کہ غیب کا علم صرف اللہ تعالےٰ کے پاس ہے اور ماسوئی اللہ تمام مخلوق اس صفت سے معرّیٰ ہے۔ بالخصوص مغیبات خمسہ (موت، بارش، ماں کے پیٹ میں بچہ، رزق اور کل کیا ہوگا) کا علم سوائے اللہ تعالےٰ

کے کسی کو نہیں۔ مگر بموجب نصِ قرآنی "اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" (شوریٰ-۱۳) اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنے خاص کرم سے نوازتے ہیں، خاص طور پر انبیاء کرام اور برگزیدہ بندوں کو امورِ غیب سے بھی مطلع فرما دیا جاتا ہے کبھی کسی مقرب بندے کی نظر میں یہ کمال پیدا کر دیا جاتا ہے کہ وہ مغیبات کو دیکھنے لگتا ہے اور کبھی پوشیدہ حقائق کو ہی بے نقاب کر دیا جاتا ہے کہ ایک بندہ حق انہیں اپنے سامنے پاتا ہے۔ اسی طرح کبھی کسی فرشتہ کے ذریعے حقائق کی ترسیل کی جاتی ہے اور کبھی کسی خاص بندے کے دل میں حقیقت کو القاء کر دیا جاتا ہے۔" ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ" یہ اللہ کا فضل ہے جس پر ہو جائے کسی کو اس پر اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پہ فرمایا گیا ہے کہ "لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ" (انعام-۱۰۴) یعنی تمہاری آنکھیں اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتیں جبکہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالیٰ خود کسی بندے کو اپنی رؤیت سے سرفراز فرمائیں تو یہ بھی اس کی رحمت سے بعید نہیں۔ قرآن مجید میں دوسرے مقام پہ فرمایا گیا" وَمَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖٓ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا" (بنی اسرائیل-۷۲) یعنی جو اس دنیا میں اندھا رہے گا (حقیقت کو نہ دیکھ سکے گا) وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور زیادہ راہ گم کردہ ہوگا۔

کلام پاک میں اللہ تعالیٰ خود انسانِ اوّل (آدم) کو تمام چیزوں کے نام اور خواص بتاتے ہیں بموجب آیت مقدسہ" قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" (یوسف-۹۶) حضرت یعقوبؑ

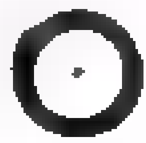
اُپنے بیٹوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جس کی تمہیں مطلقاً خبر نہیں۔ بموجب آیہ مقدسہ " وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ " (آل عمران - ۱۷۹)۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم جسے چاہتے ہیں غیب سے مطلع کر دیتے ہیں۔ غیب کو جاننا اللہ کے کرم کی بات ہے لیکن غیب جاننے کے طریقے کو جاننا اس کے کمال فضل کا معاملہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ کا ایک غلام آصف بن برخیا "عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ" کی برکت سے بلقیس کا تخت آنِ واحد میں لانے کے قابل ہوا۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پہ ایسی باتوں کا ذکر ملتا ہے کہ انہیں پڑھ کر انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔

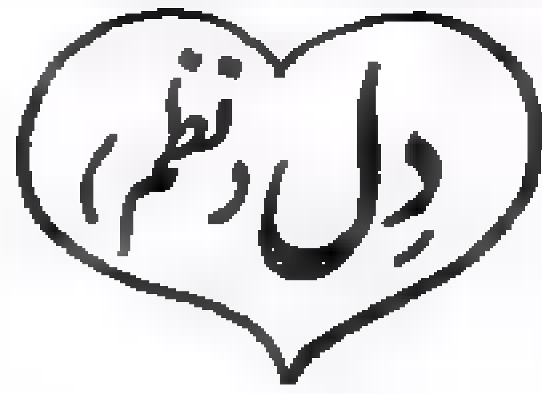
اولیائے کرام مراقبہ، مکاشفہ وجدان، عرفان الہام اور مبشرات کے ذریعہ امور غیب سے مطلع ہوتے رہتے ہیں۔ بموجب حدیث قدسی اللہ تعالےٰ خود اپنے مقبول بندوں کے اعضاء یعنی کان، آنکھ اور ہاتھ وغیرہ بن جاتا ہے۔ پھر وہ اللہ تعالےٰ کے ان اعضاء سے کام لینا شروع کر دیتے ہیں۔ نتیجتاً ان کی اداؤں میں ایسا حُسن پیدا ہو جاتا ہے کہ عوام الناس کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالےٰ کی بنائی ہوئی آنکھ سے انسان خود اُپنے پوشیدہ اعضاء جیسے دل اور گردوں وغیرہ کو نہیں دیکھ سکتا مگر اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ عقل اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے وہ ایسے سائنسی آلات ایجاد کرنے کے قابل ہو گیا ہے جن کی مدد سے وہ اُپنے تمام پوشیدہ اعضاء کی حرکات و سکنات کو دیکھ سکتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ گھر بیٹھے ہوئے دُور دراز ممالک کا بھی مشاہدہ کر سکتا ہے۔ مداروی سیاروں کے ذریعے

وہ اجرامِ فلکی کا بھی کھوج لگا رہا ہے۔ تاہم خود انسانی دل میں بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ بغیر کسی خارجی آلہ کے دُور افتادہ چیزوں کا مشاہدہ کر سکتا ہے

قوانینِ فطرت کی حیثیت اضافی اور اعتباری ہے۔ حالات و مقامات کے تبدیل ہونے پر یہ قوانین تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً سطحِ زمین پر ایک چیز کا وزن کششِ ثقل کی وجہ سے ایک مخصوص اکائی ہے مگر مرکزِ زمین سے چند سو میل کی دُوری پر اسی چیز کا وزن کم ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس کی کمیت میں کوئی فرق رونما نہیں ہوتا۔ اسی طرح انسانی ذہن کی خاص تربیت کے نتیجہ میں اس میں ایک خاص تغیر رونما ہوتا ہے اور اس کی قوتِ ادراک میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ کائنات کی کوئی چیز بھی اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہتی اور اقبالؔ کے اس شعر کی عملی تصویر انسان کے سامنے ہوتی ہے۔

؎ تو اے اسیرِ مکاں لامکاں سے دُور نہیں
وہ جلوہ گاہ تیرے خاکداں سے دُور نہیں





قصۂ دار و رسن بازیِ طفلانۂ دِل
التجائے اَرِنی سرخیِ افسانۂ دِل

یارب اِس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی
جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دِل

ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب
جل گئی مزرعہ ہستی تو اُگا دانۂ دِل

حُسن کا گنجِ گرانمایہ تجھے مل جاتا
تو نے فرہاد نہ کھودا کبھی ویرانۂ دِل

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اس پر
کس کی منزل ہے الٰہی مرا کاشانۂ دِل

اس کو اپنا ہے جنوں اور مجھے سودا اپنا
دِل کسی اور کا دیوانہ میں دیوانۂ دِل

تو سمجھتا نہیں اے زاہدِ ناداں اس کو
رشکِ صد سجدہ ہے اک لغزشِ مستانۂ دِل

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے
وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دِل

عشق کے درد میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

(اقبالؔ)

اولیائے عظام اور موت کا علم

ہر چند کہ موت کا وقت معین ہے۔ لیکن اکثر لوگوں کو اس کا علم نہیں۔ البتہ بعض صوفیائے کرام کو اپنی موت کا علم وقت سے پہلے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس سے پیشتر بیان کیا جا چکا ہے۔ بندۂ مومن کی رُوح بعض دفعہ اس کی زندگی ہی میں خاکی جسم کو چھوڑ کر لامکاں تک پرواز کر جاتی ہے۔ حتیٰ کہ لوحِ محفوظ کی تحریر اس کے پیش نظر ہوتی ہے۔ وہ نہ صرف اپنے بلکہ دیگر افراد کے مقدرات کو بھی دیکھ سکتے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیائے کرام زمانہ استقبال کی خبر رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی تاریخ وصال سے بھی لوگوں کو آگاہ فرما دیتے ہیں۔

کتب تصوف میں ایسے بے شمار واقعات اور روایات منقول ہیں مگر یہاں صرف چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

○ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے وصال کی خبر ایک سال قبل ہی اشارۃً دے دی تھی۔ آپ نے فرمایا لوگو! میری بات کو دھیان سے سن لو اور سمجھ لو۔ ممکن ہے اگلے سال میری تم سے میدان عرفات میں ملاقات نہ ہو سکے۔ چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا اور آپ اگلے حج سے قبل ہی عالم ملکوت میں منتقل ہو گئے۔

○ حضرت سلیمانؑ کو اپنی وفات کی پیشگی اطلاع تھی۔ البتہ وفات سے کچھ عرصہ پہلے مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا کام آپ کی نگرانی میں ہو رہا تھا اور جنات

اس کام کو مکمل کر رہے تھے ۔ لہذا وفات سے قبل آپ نے ایک عصا ہاتھ میں لیا اور شیشے کی الماری میں مسجد اقصیٰ کے سامنے کھڑے ہو گئے ۔ مقصد یہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد جنّات آپ کو بظاہر موجود پاکر اپنے کام میں مصروف رہتے ۔ وقت مقررہ پر آپ کا وصال ہو گیا۔ لیکن آپ کا جسم عصا کے سہارے الماری میں برقرار رہا۔ اس طرح جنّات نے آپ کو زندہ گمان کیا اور حسب معمول تعمیر کا کام جاری رکھا۔ آخر کار مسجد اقصیٰ کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ دریں اثناء عصا کو دیمک کھا گئی اور وہ ٹوٹ گیا۔ نتیجتہً حضرت سلیمانؑ کا جسدِ خاکی نیچے گر گیا۔ یہ دیکھ کر جنّات کو اپنی لاعلمی پر بہت افسوس ہوا۔

○ مشہور فارسی شاعر عمر خیام نے اپنی وفات کی پیشین گوئی بہت عرصہ پہلے کر دی تھی اور یہ بھی کہا تھا کہ میری قبر پر کچنار کے پھول برستے رہیں گے ۔ وفات کے بعد ایسا ہی ہوا۔ چنانچہ اب تک اس کی قبر پر گل پاشی ہو رہی ہے۔ عمر خیام کی قبر ایک باغ میں واقع ہے جہاں کچنار کے بے شمار درخت ہیں اور ہر وقت پھولوں کی بہار دیکھنے میں آتی ہے۔

○ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال اپنی اس رباعی میں اپنی وفات کی قبل از وقت اطلاع دے رہے ہیں۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

ترجمہ: سرودِ رفتہ واپس آئے یا نہ آئے۔ حجاز سے شاید بادِ نسیم آئے یا نہ آئے۔ اس فقیر (اقبال) کا آخری وقت آپہنچا اور اس کا عرصہ حیات مکمل ہوا۔ اس کے بعد شاید کوئی دوسرا دانائے راز آئے یا نہ آئے۔

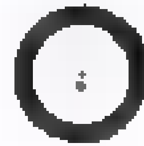
چنانچہ چند دن بعد ہی علامہ اقبال کا وصال ہو گیا۔

○ حضرت نظام الدین اولیاءؒ نے اپنی وفات سے قبل یہ فرمایا تھا کہ ہمارے مرید حضرت امیر خسرو ہماری وفات کے بعد زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہیں گے اور ہمیں جلد ہی آملیں گے۔ چنانچہ آپ کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔ حضرت امیر خسرو اپنے روحانی پیشوا حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد فوت ہو گئے اور اپنے شیخ کے قدموں میں دفن ہوئے۔

○ فقیر مؤلف کے والد گرامی حضرت میاں نواب الدین اپنی زندگی میں یہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میری عمر اسّی سال ہوگی۔ اس کے بعد میں دنیا میں نہیں رہوں گا۔ چنانچہ اپنی زندگی کے اسّی سال پورے ہونے پر آپ یکم جنوری ۱۹۷۱ء بروز جمعۃ المبارک بوقت اذان اوّل جمعہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ وفات سے چند لمحات قبل آپ کیلے تناول فرما رہے تھے۔ دریں اثناء جمعہ کی اذان سنائی دی۔ اس پر آپ نے فرمایا لو بیٹو! اب تو ہم آگے جا کر ہی نماز جمعہ ادا کریں گے۔ اذان کے فوراً بعد آپ نے اونگھ محسوس کی اور اسی حالت میں آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ وفات کے تین دن بعد آپ کو قبرستان پیر بخاری ساہیوال میں سپرد خاک کیا گیا لوگ آخری وقت تک آپ کا دیدار کرتے رہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا آپ آرام کی نیند سو رہے تھے۔

○ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اپنے وقت کے ایک باکمال بزرگ ہوتے ہیں. آپ نے تین سال قبل ہی لوگوں کو اپنے وصال سے آگاہ فرما دیا تھا. جو لبعد میں درست ثابت ہوا. حتیٰ کہ آپ نے اپنی قبر کی بھی نشاندہی کر دی تھی.

اکثر درویشوں کو اپنی وفات سے آگہی قبل از وقت ہو جاتی ہے. لیکن وہ کسی مصلحت کے پیش نظر اس کا اظہار نہیں فرماتے. البتہ عام آدمی میں یہ حوصلہ کہاں کہ وہ اپنی وفات کی اطلاع قبل از وقت برداشت کر سکے. مگر اچانک موت کو پا کر بھی لوگ حیران و پریشان ہو جاتے ہیں. لہٰذا مصلحت اسی میں ہے کہ تسلیم و رضا کو اختیار کیا جائے اور حتی المقدور عقلی موشگافیوں سے اجتناب کیا جائے.



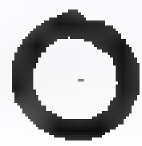
فقیر مؤلف کا خوابی تجربۂ موت

فقیر مؤلف عرض گزار ہے کہ ۱۹۷۲ء میں اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی رحمت کے تصدق میں اپنا خاص فضل و کرم فرمایا اور اسے عالم رؤیا میں موت کے مثالی مشاہدہ سے مشرف فرمایا۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ وہ فوت ہو چکا ہے۔ لوگ اس کی میت کے ارد گرد بیٹھے ہوئے ہیں، مگر وہ خود لوگوں کے درمیان گھوم پھر رہا ہے اور اپنی میت کو خود بھی دیکھ رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ علم الدین فوت ہو گیا ہے۔ فقیر خود بھی اپنے بارے میں لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ (علم الدین) فوت ہو گیا ہے۔ بعد ازاں اس کی میت کو نہلایا گیا کفن زیب تن کیا گیا۔ اور پھر دیدار عام کے لئے چارپائی پر ڈال دیا گیا۔ اس تمام کاروائی کو وہ خود دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی میت کا جلوس قبرستان کی طرف جا رہا ہے۔ وہ خود بھی جلوس کے جلو میں چل رہا ہے۔ میت کو لحد میں اتارتے وقت وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ گویا اس کی روح دوبارہ اس کے جسم میں منتقل ہو گئی ہے۔ لوگ اسے دفن کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ وہ قبر میں اکیلا ہی پڑا ہے۔ چند لمحات کے بعد وہ دیکھتا ہے کہ دو انسان نما صورتیں قبر میں نمودار ہوتی ہیں اور اس سے کچھ پوچھا چاہتی ہیں۔ فقیر کچھ کہے بغیر کلمہ طیبہ (لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ) پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس پر اس کی تمام وحشت دور ہو جاتی ہے۔ پھر اسے قبر سے نکال کر کھلے میدان میں لے جایا جاتا ہے۔ فقیر دیکھتا ہے کہ وہاں صفیں بچھی ہوئی ہیں۔ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجود ہیں۔ ایک صف پر لیٹ

جانے کو کہا جاتا ہے ۔ وہ لوگوں سے پوچھنا چاہتا ہے کہ یہ سب کیا ماجرا ہے۔ مگر لوگ کچھ بتانے سے گریز کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں بولنے کی اجازت نہیں ۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ ہم بولیں گے نہیں لیکن اتنا تو بتائیں کہ اصل ماجرا کیا ہے ۔ وہ لوگ صرف اتنی بات ہی بتاتے ہیں کہ بھائی ! ہم لوگ یہاں آرام سے رہ رہے ہیں ۔ اگر ہم مشرق کی طرف جائیں تو وہاں لوگ بڑی مصیبت میں مبتلا نظر آئیں گے۔

فقیر دیکھتا ہے کہ وہاں زمین بھی ہے ۔ اُوپر کی طرف آسمان بھی دکھائی دیتا ہے ۔ دن کے وقت سُورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے ۔ رات کو آسمان پر ستارے بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ کوئی پریشانی لاحق نہیں ۔ کوئی مصروفیت بھی نہیں ۔ لوگ باہم لڑتے جھگڑتے بھی نہیں ۔ ایک دن یہ کہا جاتا ہے کہ جنوبی دیوار سے دوسری جانب دُنیا ہے ۔ فقیر دنیا میں رہنے والے کاروباری لوگوں کی کچھ صدائیں بھی سنتا ہے جیسے " لے لو گنڈیریاں " ۔ وُہ دُور سے یہ بھی دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ چوری کے عمل میں مصروف ہیں ۔ فقیر کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر میں دُنیا میں ایک بار پھر بھیجا جاؤں تو لوگوں کو بتاؤں کہ تم لوگ کتنا گھٹیا کام کر رہے ہو ۔ یہ خیال آتے ہی پھر وہ اِنسان نما صورتیں فقیر کے پاس آجاتی ہیں اور اسے دُنیا میں واپس جانے کے لئے کہتی ہیں ۔ وہ انہیں کہتا ہے کہ میں نے واپس جانے کے بارے میں ضرور خیال کیا تھا لیکن اَب میں واپس ہرگز نہیں جاؤں گا ۔ وہ لوگ فقیر کو دُنیا میں واپس جانے کے لئے دوبارہ کہتے ہیں ۔ مگر فقیر کی طرف سے پھر انکار کیا جاتا ہے ۔ تیسری بار پھر دنیا میں جانے کے لئے کہا جاتا ہے مگر وہ خدا اور اس کے رسول کا واسطہ دے کر عرض کرتا ہے کہ اگر مجھے دوبارہ

اسی راستہ سے دنیا سے واپس لایا جائے گا جس راستہ سے پہلے لایا گیا تھا تو میں ہرگز دُنیا میں واپس نہیں جاؤں گا۔ وہ بزرگ جواباً فرماتے ہیں کہ علم الدّین! تجھے پہلے راستہ سے یہاں واپس نہیں لائیں گے۔ لہٰذا تم دُنیا میں دوبارہ ضرور جاؤ۔ فقیر کو عالم برزخ میں سوا دو سال کا عرصہ گزارنے کے بعد دُنیا میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کے عزیز واقارب اسے اپنے درمیان موجود پاکر حیران رہ جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تُو تو مر گیا تھا۔ تو کہاں رہا۔ فقیر عرض کرتا ہے کہ میں کہیں نہیں گیا تھا۔ ہمارے درمیان صرف پردہ ہی حائل تھا۔ اثنائے گفتگو فقیر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وضو کے بعد وہ فجر کی نماز ادا کرتا ہے اور اپنی موت کے بارے میں سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ موت کے اس مثالی مشاہدہ کے بعد فقیر کو انتہائی محتاط اور پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق ارزاں فرمادی جاتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔



فقیر مؤلف کی خواب میں بعد از انتقال کی ایک جھلک

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے پایاں شفقت اور محبت کے صدقے میں فقیر مؤلف کو اس کے حالات بعد از وصال سے قبل از وقت ہی مطلع فرما دیا جاتا ہے۔ ایک رات وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کی قبر ایک علیحدہ مقام پر واقع ہے۔ قبر کے سرہانے تقریباً پانچ فٹ اونچا کتبہ نصب ہے جس پر فقیر مؤلف کا نام اور تاریخ وصال واضح طور پر درج ہے۔ اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے اس کا ہر فعل سراپا حکمت ہے۔ کتبہ کی تحریر درج ذیل ہے

یا حیُّ ۷۸۶/۹۲ یا قیُّومُ

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(تاریخ وصال علم الدین)

۱۹۹۶ء

خفی حروف میں عبارت ـــــــــ

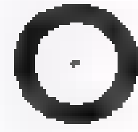
قبر کے چاروں طرف چٹائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ لوگ قبر کے مغربی جانب بیٹھے قرآن خوانی کر رہے ہیں۔ سبز درختوں کا گھنا سایہ خوشگوار منظر پیش کر رہا ہے۔ ہر طرف خاموشی اور لطافت کا سماں ہے۔

خواب کی تعبیر

بعض ارباب فکر و نظر اور درویشانِ باصفا نے خواب مذکور کی تعبیر کے ضمن میں اپنی رائے کا یوں اظہار فرمایا ہے اور

تعبیر کی ہے کہ مؤلف موصوف نے صحیح خواب دیکھا ہے۔

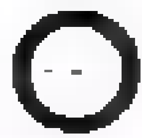
خواب مذکور میں اپنی قبر اور اس کے سرہانے کتبہ پر درج سال وصال سے اُپنے وصال کے سال کا تعین کیا ہے۔ خواب بالکل درست ہے لیکن اس کی تعبیر مختلف رُوحانی تصدیقی ذرائع سے کچھ اور ہے۔ ارباب فکر و نظر موصوف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ یہ سال مؤلف کے دُنیا سے مکمل طور پر معرفت کے میدان میں انتقال کا سال ہوگا نہ کہ دُنیا سے عقبیٰ کی طرف سفر کا۔ اس سال مؤلف کو "مُوتُوا قَبلَ اَنْ تَمُوتُوا" کا مقام حاصل ہوگا۔ قارئین کرام اور ان کے عقیدتمند پریشان نہ ہوں۔ ہم اس سال کے بعد بھی ان کے رُوحانی فیض سے مستفید اور مستفیض ہوتے رہیں گے۔ (انشاء اللہ)



فقیر (مؤلف) کے انتقالِ رُوح کا خوابی منظر

فقیر نے ایک خواب میں دیکھا کہ لوگوں کا جم غفیر ہے۔ موت کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ موت بہت کٹھن مرحلہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مرنا چنداں دشوار نہیں۔ لوگ پھر بھی کہتے ہیں کہ موت ایک مشکل گھاٹی ہے مگر وہ دوبارہ لوگوں سے کہتا ہے کہ مرنا مشکل نہیں۔ میں ابھی تمہیں مر کر دکھاتا ہوں۔

فقیر مرنے کے لئے خود ہی ایک صف پر لیٹ جاتا ہے۔ آن واحد میں اس کی رُوح جسم سے پرواز کر جاتی ہے۔ اس پر ایک حسین خواب کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لوگ اس کے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھتے ہیں ڈاکٹر کو بُلایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اعلان کر دیا جاتا ہے کہ علم الدین فوت ہو چکا ہے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد اس کی رُوح دوبارہ اس کے بدن میں لوٹ آتی ہے۔ اس پر وہ اُٹھ بیٹھتا ہے۔ وہ لوگوں سے اپنی موت کے بارے میں دریافت کرتا ہے اور پوچھتا ہے کہ کیا تم نے اسے کوئی تکلیف ہوتے دیکھی۔ وہ لوگ بتاتے ہیں کہ ہم نے کوئی تکلیف نہیں دیکھی۔ اس پر فقیر کہتا ہے کہ میرے ذوق اور مشاہدہ کے مطابق موت ایسے ہے جیسے کوئی آدمی آرام سے سو جائے اور اس کی آنکھوں کے سامنے کوئی حسین اور دلکش منظر ظاہر ہو جائے اور وہ اس پُر کیف منظر سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہونے کی صورت میں ایک بندۂ حق کو جسم کی تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا۔



ایک خوابی کیفیّت ماقبل وفات

ایک رات فقیر (مولف) نے خواب میں دیکھا کہ ایک دلکشا مقام ہے وہاں ایک خوبصورت اور کشادہ مکان ہے۔ ایک دالان میں تین فرشتہ صورت بزرگ تشریف فرما ہیں۔ سیاہ ریش کے ساتھ ان کے نحیف چہرے انتہائی پُرکشش نظر آتے ہیں۔ وہ بزرگ اور فقیر ایک میز کے گرد کرسیوں پہ بالمقابل بیٹھے ہوئے ہیں۔

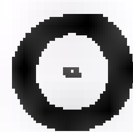
ان میں سے ایک بزرگ فقیر سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آج پیر کا دن ہے علم الدین! تجھے پرسوں بروز بدھ دنیا سے واپس لے آنا ہے۔ یہ سُن کر عرض کرتا ہے کہ بہت اچھا جناب۔ مجھے اس پہ کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ دوسرے دونوں بزرگ فرماتے ہیں کہ اُپنا دنیاوی اثاثہ واپس کر دو۔ چنانچہ فقیر کے کپڑے کتب اور دیگر سامان اس سے واپس لے لیا جاتا ہے۔ اسے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تیری کتابیں بیچ کر جو رقم حاصل ہو گی اسے کسی درس گاہ پر خرچ کر دیا جائے گا۔

فقیر ان بزرگوں کی یہ گفتگو سُن کر عرض کرتا ہے کہ مجھے دنیا سے واپس آنے پہ کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن میرے بچّے ابھی چھوٹے ہیں۔ وُہ پریشان ہوں گے۔ لہٰذا مجھے دنیا میں رہنے کی کچھ مزید مہلت دے دی جائے۔ یہ بات سُن کر وہ بزرگ خاموش رہتے ہیں اور اسے کوئی جواب نہیں دیتے۔

چند لمحات کے بعد فقیر دالان سے باہر آ جاتا ہے۔ وہ کیا دیکھتا ہے کہ مکان سے متصل ایک باغ ہے وہاں ایک بوڑھی عورت کھڑی

ہے۔ اس کے چہرے پر بڑھاپے کی وجہ سے بے شمار جھریاں دکھائی دیتی ہیں۔ اس کی صحت بھی بہت کمزور ہے۔ مگر وہ انتہائی فاخرہ لباس زیب تن کئے ہوتے ہے۔ فقیر کو بتایا جاتا ہے کہ یہ عورت "دنیا" ہے اس عورت سے مخاطب ہوتے ہوئے وہ دست بستہ عرض کرتا ہے کہ "مائی جی! تجھے سلام"۔ بعدازاں وہ وہاں سے روانہ ہو جاتا ہے اور روشوں میں سے ہوتا ہوا دو میل کا فاصلہ طے کر کے اپنے گھر واپس پہنچ جاتا ہے۔

فقیر (مؤلف) نے یہ خواب جون ۱۹۸۸ء میں دیکھا۔ پیر کا دن اور تہجد کا وقت تھا۔ یہ خوابی منظر دیکھ کر وہ بہت حیران تھا۔ اسے یہ بھی شائبہ ہوا کہ مبادا اس کی وفات واقع ہو جائے۔ چنانچہ وہ پیر کا سارا دن گھر پر موجود رہا۔ منگل کے دن بھی وہ گھر سے باہر نہیں گیا۔ حتیٰ کہ بدھ کے روز وہ موت کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ بالخصوص عصر کے وقت فرشتوں کی آمد زیادہ متوقع تھی۔ مغرب تک اس پر یہی کیفیت مسلط رہی مگر کوئی ایسی بات نہ ہوئی۔ عشاء کے وقت فقیر نے خیال کیا کہ شائد اس کی التجا کو قبول کر لیا گیا ہو اور نتیجۃً اس کی وفات کو معرض التوئی میں ڈال دیا گیا ہو۔ چنانچہ اس کے بعد اس کی انتظار کی کیفیت ختم ہوئی اور وہ اپنے معمولات میں مصروف ہو گیا۔



فصل ہفتم

انسان اور عالم برزخ

عالم برزخ

برزخ کے لغوی معنی پردہ حجاب یا واسطے کے ہیں۔ مگر تصوّف کی اصطلاح میں اس کا مفہوم قدرے مختلف ہے۔ تصوّف میں برزخ اس عرصۂ حیات کا نام ہے جو انسان موت کے بعد روزِ حشر تک کسی خاص مقام میں گزارتا ہے۔ برزخی زندگی کے دوران بالعموم انسان کا تعلق جہانِ دنیا سے ختم ہو جاتا ہے۔ گو پرسشِ اعمال کا مرحلہ تو قیامت کے بعد ہوگا۔ اور اس کے بعد ہی انسان کو کوئی مستقل مقام عطا کیا جائے گا۔ مگر اس سے قبل بھی اسے عبوری طور پہ ایک مقام دے دیا جاتا ہے۔ اس عبوری عرصۂ قیام کا نام برزخ ہے۔

برزخی زندگی کے دوران اللہ کے مقرب بندے ہمیشہ کی طرح آزاد ہوتے ہیں۔ وہ عالم دنیا اور عالم ملکوت کی سیر سے بھی سرفراز ہو سکتے ہیں۔ حتیٰ کہ مشیت ایزدی کے تحت انہیں کوئی خوشگوار فریضہ بھی سونپ دیا جاتا ہے۔ اللہ کے مقبول بندے تو اعلیٰ علیین میں قیام کرتے ہیں جبکہ گناہ گاروں کا قیام سجین میں ہوتا ہے۔ البتہ گناہگاروں کے لئے عالم برزخ کی زندگی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ قبر میں پہنچتے ہی انہیں نکیرین کا سامنا

کرنا پڑتا ہے۔ مگر وہ انہیں صحیح جواب دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ قبر میں نکیرین ایک بندے سے درج ذیل سوالات پوچھتے ہیں۔

اے بندے! تیرا رب کون ہے؟

تیرا دین کیا ہے؟

اس شخص کے بارے میں تو کیا گمان رکھتا ہے! (یہاں پر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چہرہ انور کی جھلک پیش کی جاتی ہے)

اللہ کے مقرب بندے تو محاسبہ اعمال سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ تاہم ایک بندۂ مومن بھی آسانی سے ان سوالوں کے شافی جوابات دے دیتا ہے پرسش نکیرین کے بعد اس کا خاکی جسم بحفاظت قبر میں پڑا رہتا ہے جبکہ اس کی روح کو کسی خوشگوار مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ دائمی مسرت اس کا مقدر ہوتی ہے۔ عالم برزخ میں بھی اس کا ترقی درجات کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان کے مطابق بندۂ مومن کے بعض ایسے اعمال جو وہ خلق خدا کے لئے کرتا ہے اور اس کی صالح اولاد کا اجر و ثواب اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

عالم برزخ کے احوال اشخاص کے تفاوت کی وجہ سے آپس میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ "اَلْاَنْبِیَآءُ یُصَلُّوْنَ فِی الْقُبُوْرِ" یعنی انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ معراج کی شب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت موسیٰ کو پہلے قبر میں نماز کی حالت میں دیکھتے ہیں اور جب آپ آسمان چہارم پر پہنچتے ہیں تو حضرت کلیم اللہ کو وہاں بھی موجود پاتے ہیں۔

عالم برزخ کا معاملہ بڑے عجائب و غرائب رکھتا ہے، ہر چند کہ

عرشِ عظیم جنّت کی چھت ہے۔ تاہم بندۂ مومن کی قبر بھی جنّت کے باغات میں سے ایک باغ ہوتی ہے۔ گو عقلِ کوتاہ بیں اس حقیقت کے ادراک سے عاجز ہے۔ مگر ایک بندۂ مومن کی باطنی آنکھ ان عجائبات کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔ بقول اقبالؔ:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

تصوّف کی دُنیا میں شیخِ طریقت کو بھی برزخ سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اُپنے مریدوں کو اللہ تعالےٰ سے ملانے کا واسطہ بنتا ہے۔ اسی طرح ہر نبی علیہ السلام اپنی اُمّت کے لئے بمنزلہ برزخ اور واسطہ ہوتا ہے۔ سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم برزخِ کبریٰ کا درجہ رکھتے ہیں کیونکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر ذات باری تعالےٰ تک کسی بندے کی رسائی ممکن ہی نہیں۔ سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مرنے والوں کے بارے میں ماثورہ دُعائیں بھی غور طلب ہیں۔ آپ ایک دُعا میں بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتے ہیں "یا اللہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرما۔ یا اللہ مرحوم کی قبر کو جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا۔ یا اللہ مرحوم کی قبر کو تاحدِ نگاہ وسیع فرما۔" سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مذکورۃ الصدر ارشاد کے مطابق ایک بندۂ حق کو قبر میں مدفون ہونے کے باوصف اللہ تعالےٰ کے جوارِ رحمت میں جگہ مل سکتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم پر متمکن ہے اسی طرح مرحوم کی قبر فی الواقع جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ بن سکتی ہے جبکہ جنّت کے باغات فی الحقیقت ساتویں آسمان سے اوپر اور بیت المعمور کے قریب میں واقع ہیں اور مرنے والے کی قبر زمین پر ہے

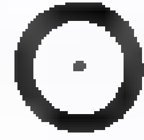
اسی طرح ایک مرحوم کی قبر تاحدِّ نگاہ وسیع ہو سکتی ہے جبکہ بادی النظر میں ایک قبر تنگ و تاریک غار سے مشابہت رکھتی ہے۔ اگر یہ باتیں ممکن نہیں تو تسلفاً اس دُعا کا کیا مفہوم۔ معلوم ہوا کہ برزخی کیفیات ہمارے ظاہری معاملات سے بالکل مختلف ہیں۔ بموجب نص قرآنی: "اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔" بے شک اللہ کی رحمت محسنین کے قریب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت شاملِ حال ہو تو یہ سب کچھ ممکن ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب (نفحات الانس) میں لکھتے ہیں کہ ایک درویش اپنی زندگی میں لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا اور خود بھی نیکی کی طرف مائل تھا۔ وفات کے بعد جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پہنچا تو اسے حکم ہوا کہ اے درویش! جس طرح تو دنیا میں ہماری مخلوق کو اچھی اچھی باتیں سنایا کرتا تھا اب ہماری روحانی مخلوق کو بھی وہی باتیں سناؤ۔ چنانچہ عالم برزخ میں اس کے ذوق کے مطابق اسے ایک خوشگوار فریضہ سونپ دیا گیا جب کہ بظاہر اس کا خاکی جسم قبر میں پڑا ہوا تھا۔ یہ بات بھی محلِ نظر ہے کہ عام انسان کی نگاہ میں قبر ایک تنگ و تاریک جگہ ہو مگر مدفون کے لئے شاید وہ تنگ و تاریک مقام نہ ہو۔

خواب بھی برزخ کا درجہ رکھتے ہیں اور سالک کو دنیا میں رہتے ہوئے عالم ملکوت کے اسرار و رموز سے باخبر کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ آئندہ اوراق میں فقیر مؤلف نے چند سلف صالحین اور معاصرین کے برزخی حالات و معاملات کی خوابی جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ عقل ظاہر بین شاید ان باتوں کو تسلیم نہ کرے۔ مگر ان برزخی حقائق

کر بلا مبالغہ اور بلا خوف تردید پیش کیا گیا ہے۔ بقول ایک شاعر

زاہد نگاہِ کم سے کسی رند کو نہ دیکھ
شاید کہ اس کریم کو تو ہے کہ وہ پسند



چند بزرگانِ سلف کے برزخی حالات

بزرگانِ سلف کے برزخی حالات و معاملات صوفیائے کرام کے تذکروں میں شرح و بسط سے منقول ہیں۔ اولیائے عظام اپنے عقیدتمندوں کو بحالت خواب اپنی ملاقات سے مشرف فرماتے رہتے ہیں۔ اس طرح ان سے حصول فیضان کے علاوہ ان کے برزخی حالات کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

یہاں چند ایک بزرگانِ سلف کی برزخی زندگی کی جھلکیاں نذرِ قارئین کی جاتی ہیں:

○ — حضرت رابعہ بصریؒ اللہ کی ایک برگزیدہ ہستی تھیں۔ معرفت کے میدان میں ان کا منفرد مقام ہے۔ انہوں نے عمر بھر اللہ تعالیٰ سے نیک گمان وابستہ رکھا۔ وفات کے چند دن بعد ایک درویش سے آپ کی خواب میں ملاقات ہوئی۔ برسبیل تذکرہ آپ سے معاملہ برزخ کے بارے میں سوال کیا گیا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے جواب میں فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے متعلق بہت اچھا گمان رکھتے تھے۔ چنانچہ وفات کے بعد اس نے ہمارے گمان سے کہیں بڑھ کر ہمارے ساتھ حسن سلوک کیا۔

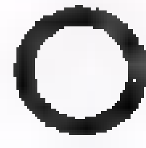
○ — حضرت مجددّ الف ثانیؒ کا شمار صوفیائے کبار میں ہوتا ہے۔ وصال کے بعد خواب میں ایک درویش سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ دورانِ گفتگو آپ سے یہ استفسار کیا گیا کہ مجددّ صاحب! وفات کے بعد آپ سے کیا معاملہ پیش آیا۔ جواب میں آپ نے فرمایا جب ہم دُنیا سے چلے تو ہمارا پہلا قدم جنت میں تھا اور دوسرا قدم اللہ تعالیٰ کے

حضور میں۔ ہمیں راستے میں کہیں رُکنا ہی نہیں پڑا۔

○ — حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اور صوفی حمیدالدین ناگوریؒ ہم عصر بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کی باہم دوستی ضرب المثل تھی۔ وفات سے قبل ان میں یہ طے پایا کہ جو دوست پہلے فوت ہو جاتے وہ اپنے دوسرے دوست کو بتائے کہ عالم برزخ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔ حُسنِ اتفاق کہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کا انتقال پہلے ہوگیا۔ صوفی حمیدالدین اُپنے وطن مالوف ناگور سے چل کر اجودھن (پاکپتن) آگئے۔ حسب وعدہ آپ نے اُپنے مرحوم دوست کی قبر پر حاضری دی، کاغذ اور قلم لحد مبارک پر رکھا اور پھر قبر کے پاس کھڑے ہو کر اپنے مرحوم دوست کو اس کا سابقہ وعدہ یاد دلایا۔ اس کے بعد آپ حجرے سے باہر آگئے۔ آپ نے چند لمحات کے لئے مزار شریف کا دروازہ بند کئے رکھا اور پھر کھول دیا۔ قبر پر دوبارہ حاضر ہوئے اور وہاں پڑا ہوا کاغذ اٹھایا اس پر یہ لکھا ہوا پایا:

جملہ فنونِ شیخ تیر نزد یہ نیم خس
راحت بہ دل رساں کہ ہمیں مشرب است وبس

یعنی ظاہری عبادات اور فقیرانہ تکلفات پرکاہ کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتے۔ لوگوں کے دلوں کو راحت پہنچانا ہی صحیح مشرب ہے۔



فقیر مؤلف کے چند معاصرین کے برزخی معاملات

فقیر مؤلف پر اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے خاص فضل و کرم رہا ہے نیز سرکار دو عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر خصوصی نظر شفقت ہے بایں سبب اس کا خواب کی حالت میں مقربین بارگاہ قدس کے حضور باریابی کا سلسلہ بچپن ہی سے جاری ہے۔ بعض اوقات انبیاء کرام سے بھی خواب میں ملاقات ہو جاتی ہے۔ اولیائے عظام کی محافل میں تو بار بار حاضری کا شرف حاصل ہوتا رہتا ہے۔ حضرت غوث الاعظمؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ ایسی برگزیدہ ہستیاں اس سے اسی انداز میں ہمکلام ہوتی ہیں جیسے کوئی زندہ روحانی شخصیت اس کے سامنے تشریف فرما ہو۔ خواب میں ہزار ہا دیگر افراد سے بھی ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ بعض اوقات گنہگار لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ آئندہ چند اوراق میں فقیر مؤلف اپنے چند مرحوم معاصرین کے برزخی حالات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے۔

○ مولوی محمد عبداللہ مرحوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

فقیر مؤلف نے خواب میں دیکھا کہ آپ سفید لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں۔ آپ کی صحت بہت اچھی ہے۔ تاہم فقیر کی آپ سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔

○ مولوی غلام حسین نوری مرحوم ساہیوال

آپ کمزور سے دکھائی دیتے

ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ طویل بیماری کے بعد روبصحت ہو رہے ہیں۔ خوبصورت لباس زیب تن ہے۔ مسجد سے متصل ایک حجرے میں تشریف فرما ہیں۔ فقیر مؤلف عرض کرتا ہے کہ مولانا صاحب! میں دل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ راہنمائی فرمائیے گا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ فلاں تفسیر کا صفحہ تین صد پندرہ ملاحظہ کیجئے۔ گوہر مقصود حاصل ہوگا۔ فقیر مطلوبہ تفسیر کو مولانا موصوف کے کتب خانہ سے اٹھاتا ہے اور اس کے صفحہ مذکورہ پہ دل کے بارے میں بہت سی معلومات درج پاتا ہے۔

○ سید امور الحسن شاہ مرحوم پاکپتن شریف

فقیر نے خواب میں دیکھا کہ سید موصوف لاہور سے تشریف لا رہے ہیں۔ چک پاکپتن ساہیوال میں بہت سے لوگ ان کے استقبال کے لئے جمع ہیں۔ آپ ہشاش بشاش دکھائی دیتے ہیں۔ باغ و بہار کا سماں فقیر کے پیش نظر ہے۔

○ دیوان غلام قطب الدین سجادہ نشین حضرت بابا فریدؒ پاکپتن شریف

فقیر نے دیوان قطب الدین مرحوم کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ کا چہرہ انتہائی روشن اور خوبصورت ہے۔ لباس بھی خوبصورت ہے صحت قابل رشک ہے۔

○ محمد خلیل مرحوم (برادر مؤلف)

ایک خوابی کیفیت میں صحت کمزور تھی۔ لباس انتہائی بوسیدہ تھا۔

مگر ایک دوسری خوابی کیفیت میں صحت قدرے بہتر تھی۔ لباس بھی کچھ بہتر تھا۔

○ حمیدہ بی بی مرحومہ زوجہ محمد صدیق چندر کوٹ شیخوپورہ

فقیر نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ اس کی عزیزہ مسماۃ حمیدہ بی بی مرحومہ فرماتی ہیں کہ علم الدین! میرے حق میں دعا کر۔ تیری دعا قبول ہوگی۔ مرحومہ کی صحت اچھی تھی۔

○ حضرت والدہ بزرگوار (مولف)

فقیر مولف کی والدہ ماجدہ ۱۳۔ اگست ۱۹۸۴ء کو واصل بحق ہوئیں تدفین سے قبل ہی اسی رات وہ خواب میں اپنی والدہ کی ملاقات سے مشرف ہوا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ کسی پُر کیف مقام پر محفل ذکر انعقاد پذیر ہے۔ فقیر نے اپنے دوستوں سے کہا کہ آؤ مل کر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا ذکر کریں۔ دریں اثناء فقیر کی والدہ بھی اس محفل میں جلوہ افروز ہوئیں اور فرمانے لگیں بیٹے! تم پڑھو" لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ"۔ اس پر فقیر نے عرض کیا کہ اماں جی! آپ خود ذکر کا آغاز فرمائیں۔ ہم آپ کی اقتداء میں ذکر کریں گے۔ والدہ بزرگوار نے کلمہ طیبہ کا ذکر شروع کیا اور جملہ حاضرین آپ کی اقتداء میں ذکر میں مشغول ہوگئے خواب میں ملاقات کے وقت قبلہ والدہ بزرگوار کی عمر شریف صرف سترہ سال دکھائی دیتی تھی۔ چہرہ انتہائی منور نظر آتا تھا۔ صحت بھی قابل رشک تھی۔ سفید لباس زیب تن تھا۔

وفات کے اگلے روز اماں جی کو قبرستان پیر بخاری ساہیوال میں سپرد خاک کیا گیا۔ اسی رات خواب میں فقیر کی آپ سے دوبارہ ملاقات ہوئی۔ اس نے دیکھا کہ آپ مسکراتے ہوئے قبرستان سے تشریف لائیں اور اس کے پاس سے گزر گئیں۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے دل سے موت کے بارے میں فنا کا تصوّر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ آپ سے خواب میں فقیر کی اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ بعض اوقات آپ خصوصی بشارتوں سے بھی اسے سرفراز فرماتی ہیں۔

حضرت میاں نواب الدین مرحوم (والد بزرگوار مؤلف)

فقیر نے خواب میں دیکھا کہ والد بزرگوار ایک پُر کیف مقام میں تشریف فرما ہیں۔ صحت قدرے اچھی ہے۔ لباس معمول کے مطابق ہے خوش و خرم نظر آتے ہیں۔ فقیر سے آپ کی بالعموم ملاقات ہو جاتی ہے۔

فاطمہ بی بی مرحومہ (خالہ بزرگوار مؤلف)

دوران خواب فقیر نے دیکھا کہ آپ خوبصورت لباس زیب تن کیے ہوئے ہیں۔ صحت بہت اچھی ہے۔

میاں چراغ دین مرحوم (عم مؤلف)

ایک خوابی مشاہدہ کے دوران انتہائی پریشان حال دکھائی دیتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہیں زمین پر گھسیٹا گیا ہو۔ مگر خواب میں دوسری بار ملاقات کے وقت حالات قدرے بہتر نظر آتے ہیں۔

○ سائیں عبدالکریم مرحوم (سجادہ نشین پیر بخاری ساہیوال)

آپ کا چہرہ انتہائی خوبصورت ہے۔ ہشاش بشاش نظر آتے ہیں خوبصورت لباس زیب تن ہے۔

○ حاجی باقر علی مرحوم یوسف والا ساہیوال)

خوبصورت لباس میں مسکراتے چہرے کے ساتھ مدینہ منوّرہ کی طرف جانے کی تیاری میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔

○ بابا محمد شفیع مرحوم یوسف والا ساہیوال)

خوابی مشاہدہ میں انتہائی کمزور اور لاغر دکھائی دیتے ہیں۔

○ بابا شہاب الدین مرحوم بسکٹ فیکٹری ساہیوال

خوابی مشاہدہ کے دوران بابا شہاب الدین مرحوم کی صحت قدرے اچھی نظر آتی ہے۔ سفید لباس زیب تن ہے۔

○ چوہدری محمد الطاف مرحوم ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال

آپ کی صحت بہت اچھی ہے۔ خوبصورت لباس میں ملبوس دکھائی دیتے ہیں انتہائی ہشاش بشاش ہیں۔

○ پیر محمد مرحوم (ماموں بزرگوار مؤلف)

آپ اچھی صحت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

○ علی محمد مرحُوم (ماموں بزرگوار مؤلف)

آپ ہشاش بشاش اور اچھی صحت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

○ مولوی حبیب اللہ مرحُوم جامعہ رشیدیہ ساہیوال

آپ انتہائی خوشگوار ماحول میں تشریف فرما دکھائی دیتے ہیں۔

○ نور محمد قریشی مرحُوم ہیڈ ماسٹر محمودیہ ہائی سکول ساہیوال

آپ انتہائی خوبصورت مقام میں تشریف فرما ہیں۔ بہت سے لوگ آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ پس پردہ عربی زبان میں خطبہ دے رہے ہیں۔ لوگ ہمہ تن گوش آپ کا خطبہ سماعت فرما رہے ہیں۔

○ حاجی محمد اسمٰعیل مرحُوم

فقیر مؤلف کے ایک خوابی مشاہدہ میں حاجی محمد اسماعیل انتہائی لاغر اور پریشان دکھائی دیتے ہیں۔ دوسرے خوابی مشاہدے کے وقت فقیر سے حاجی موصوف کہتے ہیں کہ علم الدین! تجھ سے دشمنی رکھنا اچھا نہیں۔ مگر تجھ سے دوستی بھی مفید نہیں۔ حاجی موصوف کی یہ معنی خیز بات سن کر فقیر بہت حیران ہوتا ہے۔ اس کی پہلی بات کی تو فقیر کو سمجھ آتی ہے مگر دوسری بات کی اسے بالکل سمجھ نہیں آتی۔

بیدار ہونے پر فقیر خواب میں دیکھے گئے شخص کی سابقہ زندگی کا جائزہ لیتا ہے۔ فقیر کے متعلق اُس کے خیالات و نظریات کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔

حاجی موصوف کی یہ عادت تھی کہ بظاہر وہ فقیر سے محبت کرتا تھا۔ لیکن دل میں کچھ اور بات ہوتی تھی۔ بدیں جہت اس کی بظاہر دوستی بھی اس کی دشمنی پر محمول تھی۔ لہٰذا مؤلف کے ساتھ دشمنی کے علاوہ منافقت آمیز دوستی بھی کسی کے لئے اچھی نہیں۔

○ صدر ضیاء الحق مرحوم اسلام آباد پاکستان

صدر ضیاء الحق مرحوم کی وفات کے اکیس روز بعد فقیر مؤلف نے ایک خواب میں دیکھا کہ وہ اسلام آباد پاکستان میں ان کی قبر پہ حاضر ہے۔ چار آدمی وہاں پہلے ہی موجود ہیں۔ ہم پانچوں افراد صدر مرحوم کی قبر پر سبز چادر چڑھانا چاہتے ہیں۔ اسی اثنا میں صدر ضیاء الحق مغربی سمت سے نمودار ہوتے ہیں۔ انتہائی خوش و خرم دکھائی دیتے ہیں۔ وہ اپنی قبر پر چادر پوشی کی تقریب میں خود بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فقیر مؤلف دوسرے دوستوں کے ساتھ مل کر فاتحہ خوانی کرنے کا خواہش مند ہے۔ صدر مرحوم اپنی قبر پہ فاتحہ خوانی کے دوران ہمارے ساتھ شمولیت فرماتے ہیں۔

○ حضرت میاں خیرالدین مرحوم (دادا بزرگوار مؤلف)

ایک شب فقیر مؤلف نے خواب میں دیکھا کہ حضرت دادا بزرگوار ایک پُر کیف مقام پر تشریف فرما ہیں۔ آپ دراز قد اور لحیم شحیم درویش دکھائی دیتے ہیں۔ سفید چغہ اور تہ بند زیب تن ہے۔ نحیف چہرے پر سکینت اور طمانیت نمایاں ہے۔ کشادہ اور سفید داڑھی انتہائی خوبصورت نظر آتی ہے۔ تاہم آپ سے گفتگو کی نوبت

نہیں آئی۔

۵ حضرت مفتی محمد شفیع مرحوم کراچی

ایک شب فقیر مولف نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مفتی محمد شفیع کراچی والے ایک رُوحانی محفل میں تشریف فرما ہیں۔ وہ خود مفتی موصوف کے سامنے دوزانو بیٹھا ہوا ہے اور ان کی پیشانی کو ماپ کر کہتا ہے کہ مفتی صاحب! اس قدر کشادہ پیشانی والے بزرگ ہمیشہ صاحب تصنیف ہوتے ہیں۔ مفتی موصوف اس سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم بھی تو کچھ کم نہیں ہو جو اتنے بزرگوں کی باتوں کو از بر کر لیتے ہو۔

بیدار ہونے پر وہ بہت خوش تھا کہ اسے ایک عظیم علمی شخصیت سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اس خواب کے بعد اسے خاص اسلوب نگارش سے نواز دیا جاتا ہے۔ نتیجتہً وہ متعدد رُوحانی اور علمی کتب تالیف کرنے کی سعادت سے سرفراز ہوا۔

۰ سائیں فقیر حسین مرحوم ساہیوال

سائیں فقیر حسین مرحوم مؤلف کے انتہائی قریبی دوستوں میں سے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے ان کا انتقال ہوا۔ انتقال کے چند دن بعد مؤلف کی ان سے دوران خواب ملاقات ہوئی۔ سائیں صاحب کی صحت قابل رشک تھی چہرہ انتہائی روشن اور گداز تھا۔ نیز خوبصورت لباس زیب تن تھا۔

مؤلف کے استفسار پر فرمانے لگے کہ بھائی! جب سے یہاں آیا ہوں بہت مزے ہیں۔ کوئی پریشانی لاحق نہیں۔ دُنیا کے عذاب سے جان چھوٹ گئی ہے۔



فصل ہشتم

سرگزشت مؤلف

- سخنہائے گفتنی
- خاندانی حالات
- تعلیم و تربیت
- روحانی نسبت
- الطاف القدس
- رشحاتِ قلم (تالیفات مؤلف کا تعارف)

سخنہائے گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عشق بے پایاں کا حاصل اور ہے
شوقِ منزل اور منزل اور ہے
عقل والے اپنی اپنی راہ لیں
اُن کے دیوانے کی منزل اور ہے

پاک ہے وُہ ذات جس کی تجلّی کے باعث تمام حدوث قائم ہیں اس کی صفات کے ظہور سے کائنات کا قرار ممکن ہے اُس کے انوارِ قدس کی تیزی عقلوں کی بصیرت چھین لیتی ہے اور بڑے لوگوں کی عقلوں کو اس کی عزّت کے نفحات اُچک لیتے ہیں۔

لاکھوں درود و سلام ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پر اور ان نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے راہِ ھدایت کو اختیار فرمایا۔

فقیر علم الدین (مؤلف) عرض گزار ہے کہ کتاب زیرِ نظر کی فصل ہشتم میں اس نے اپنی سرگزشت پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس خود نوشت سرگزشت کی اشاعت کسی فخر و مباہات کے لئے نہیں بلکہ بموجب ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ" یعنی اپنے رب کی نعمتوں کا چرچا کیجئے۔ مؤلف نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں بطور تحدیثِ نعمت اپنا یہ حال بیان کیا ہے۔ خاکسار کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہو گی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ

وسلم کا اس پر خاص فضل وکرم ہے۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چوں غلام آفتابم ہمہ از آفتاب گویم

مقصودِ تالیف صرف اتنا ہے کہ مالکِ حقیقی کے بے پایاں فضل وکرم کا برملا اظہار کیا جائے۔ بقول ایک شاعر

حقیقت سے گر بے خبر ہوں تو کیا ہوں
مَلک ہوں تو کیا ہوں بشر ہوں تو کیا ہوں
جہاں میں نہ دیکھوں گر حق کا جلوہ
تو بالفرض اہلِ نظر ہوں تو کیا ہوں

مؤلف کا یہ ذاتی مشاہدہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے انسان رُوحانی پرواز سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ بموجب نصِ قرآنی "اِلَیْہِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُہٗ" پاک کلمات اس پاک ذات کی طرف پرواز کرتے ہیں اور اعمالِ صالحہ عابد کو اس ذات کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔ حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ رویائے صادقہ میں ایک بندۂ حق کی روح عرشِ عظیم تک پہنچ جاتی ہے۔

صاحبانِ کشف اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ فرشتے زمین پر اُترتے رہتے ہیں۔ خواب میں رُوحیں جنت کی سیر کر سکتی ہیں حتیٰ کہ زمان ومکاں کی حدود کو توڑ کر جہاں تک خدا تعالیٰ چاہیں ارواحِ لطیف پرواز کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے تو مرنے کے بعد بھی قیدِ مکانی سے آزاد ہوتے ہیں۔ اور وہ دُنیا کی سیر کرتے رہتے ہیں۔ ان کا اپنے دوستوں سے رُوحانی رابطہ قائم رہتا ہے۔ بعض ارواحِ سعیدہ لوحِ محفوظ سے نہ صرف

آپ بلکہ آپنے دوستوں کے احوال کا مطالعہ کر سکتی ہیں۔ یہ صفت ان میں اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے صدقے میں پیدا ہو جاتی ہے۔

سرگزشت ھٰذا میں پیش کردہ تمام کیفیات کا تعلق محض دِل سے ہے۔ دِل کا خاصا کیا ہے؟ جہاں دل ہے وہاں وہ ہیں جہاں وہ ہیں وہاں سب کچھ۔ مگر پہلے مقام دل سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سچ پوچھئے تو مکاشفاتِ دل کی بات اللہ تعالےٰ کے فضل محض کی بات ہے، جان لینا چاہیئے کہ اوّل علم تو یہ کا ہے جسے عام لوگ قبول کرتے ہیں دوسرا علم معاملہ محبّت کا ہے جسے صرف خاص لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔ تیسرا علم حقیقت کا ہے جو خاص و عام کے فہم و شعور سے بالا تر ہے۔ اسے عام حالات میں قبول ہی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ عالمِ تحیّر میں لوگ اکثر و بیشتر اس کا انکار ہی کرتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ معرفت کی حقیقت حیرت ہے۔ حیرت کے نتیجہ میں مشاہدہ اور حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ مشاہدہ اور حصول صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ نصِ قرآنی "اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ" کے مطابق اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنے لئے چن لیتے ہیں۔

انسان کو جائز نہیں شک اس میں ذرا بھی
صادق ہو طلب دل کی تو مل جائے خدا بھی

احساناتِ خدا تعالیٰ کے اقرار کے طور پر ہر درویشِ کامل نے اپنی خاص کیفیاتِ قلبی کا برملا اظہار فرمایا ہے:

○ — سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "اے حسّان! میری

شان میں جو کچھ کہہ سکتے ہو کہو میں تیری ہر تعریف سے بالاتر ہوں"۔

○— حضرت مجدد الف ثانی تحدیثِ نعمت کے طور پر خود اپنے بارے میں اپنے مکتوب نمبر ۳۰ دفتر سوم حصہ اول میں فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کا مرید بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ کا مراد بھی۔ میری ارادت بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے متصل ہے۔ میرا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے قائم مقام ہے۔ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرید بھی ہوں اور ان کا متبع ہم پیر بھی۔ اگرچہ میرا پیر طریقت حضرت عبدالباقی ہے مگر میری تربیت کا کفیل خود اللہ باقی ہے۔ میری تربیت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوئی ہے میں اجتباء کی راہ چلا ہوں۔ میرا سلسلہ سلسلۂ رحمانی ہے۔ گو بایزید بسطامیؒ نے سُکر کی حالت میں "سُبحانی" کا نعرہ بلند کیا تھا۔ مگر میں صحو اور ہوش سے برآمد ہوا ہوں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ میں خود اللہ تعالےٰ کا پروردہ ہوں۔

○— حضرت فریدالدین مسعود گنج شکرؒ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ

؎ نورِ نورم نورِ نورم نورِ نور
من چراغ و پنبہ و روغن نیم

یعنی میں نور ہی نور ہوں اور چراغ روئی یا تیل ہرگز نہیں ہوں۔

○— حضرت شمس تبریزؒ کا یہ بانگ دہل اعلان ہے کہ

؎ عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام برخود
چوں خود خود را نظر کردم ندیدم جز خدا در خود

"یعنی مجھے اپنے باطن میں خدائی جلوے نظر آتے ہیں"

○— حضرت بوعلی قلندر کا یہ نعرۂ مستانہ اب بھی فضاؤں میں

گونج رہا ہے کہ

ع۔ من نمی گویم اَنَا الحق یار میگوید بگو

"یعنی مَیں از خود اَنَا الحق نہیں کہتا البتہ اُپنے دوست کے اشارے پر میں اَنَا الحق بھی کہنے کو تیار ہوں"

○— حضرت شاہ ولی اللہ اپنی کتاب" انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ واسانید وارثی رسول اللہ" میں اپنی واردات قلبی کا بڑی جرأت اور بیباکی سے اظہار فرماتے ہیں۔ یہ اظہارِ ذات صرف اور صرف تحدیث نعمت کے طور پر کیا گیا ہے۔

شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ کا یہ استفسار فی الواقع معنی خیز ہے کہ

مکانی ہوں کہ آزادِ مکاں ہوں
جہاں میں ہوں کہ خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں رہیں مست
مجھے اتنا بتادیں میں کہاں ہوں

○— حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قصیدہ غوثیہ میں رقمطراز ہیں کہ جو راز کی بات میرے مالک حقیقی نے مجھے بتادی ہے وہ بات اگر میں قبرستان جاکر کہہ دوں تو تمام مردے کھڑے ہو جائیں مجھے اللہ تعالےٰ نے خاص قدرت اور طاقت سے نوازا ہے۔ میرا پاؤں تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے۔

○— حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں" جو جانتا ہے وہ کہتا نہیں اور جو کہتا ہے وہ جانتا نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا مجھ پر اس قدر فضل وکرم ہے کہ میں جانتا بھی ہوں اور کہتا بھی ہوں"

۵ تمنائے تجلی حق بجانب مُبَشِّر دیدۂ دیدار بھی ہے

بموجب نصِ قرآنی "اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ" اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کے قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہو اس کو پروردگار کی طرف سے ایک خاص نُور عطا ہو جاتا ہے۔ جب یہ نُور اس کے باطن میں متمکن ہوتا ہے تو اس کے سینے کو کشادگی حاصل ہو جاتی ہے اور بندہ حق کی بصیرت کی آنکھ کھل جاتی ہے اس وقت وہ اللہ تعالیٰ کے حُسنِ تدبّر کا کرشمہ دیکھنے لگتا ہے۔ اس کے دل سے تنگ دلی کے جذبات دُور ہو جاتے ہیں نتیجۃً وہ محبت اور شوق کی مٹھاس سے لطف اندوز ہو جاتا ہے۔

شوق کیا ہے؟ شوق دل کی آگ ہے. شوق جگر کی سوزش ہے اس کے نتیجہ میں انسان میں اُنس کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اُنس یہ ہے کہ مجالسِ قُرب میں پہنچ کر رُوح اپنے محبوب سے ہمکلام ہو۔ اُنس کے بعد اطاعت ذکر تلاوت اور عبادت کا ذوق بہت بڑھ جاتا ہے۔ اُنس کا حاصل خشوع وخضوع ہے، بندۂ حق پر حالت سُکر طاری ہونے لگتی ہے اس حالت میں بندہ اپنی رُوح کے نُور میں غائب ہو جاتا ہے. قربِ حق کی عملی صورت سکر اور محویت ہے۔ اسی محویت کے عالم میں دیدارِ ذات ممکن ہوتا ہے۔

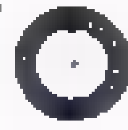
ہر چند کہ دل سلوک کی منازل طے کرنے سے وصول اِلی اللہ کے مقام سے آشنا ہو سکتا ہے لیکن یہ سفر بہت طویل ہے۔ البتہ جذب و محبت کے ذریعے یہ سفر چند لمحات میں طے ہو جاتا ہے۔ جذب کی صورت

میں کسی خاص مجاہدہ یا ریاضت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ

؎ دل اگر بے غبار ہو جائے
حق کا آئینہ دار ہو جائے

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بندہ ناچیز (مؤلف) پر ہمیشہ سے خاص فضل و کرم رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبتِ ذاتی کے صدقے میں فقیر پر بچپن ہی سے رُوحانی مشاہدات کا دروازہ کھول دیا اور اَب تک یہ سلسلہ مشاہداتِ رُوحانی جاری ہے۔

مؤلف نے اس سرگزشت میں حالاتِ زندگی کے علاوہ اپنے لطیف تجربات اور رُوحانی مشاہدات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔



خاندانی حالات

مولد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی اَمَّا بَعۡدُ ۝ فقیر علم الدین (مؤلف) عرض گزار ہے کہ برِ صغیر پاک و ہند کے مشہور و معروف ضلع امرتسر میں صدیوں پرانا ایک قصبہ کھڈور صاحب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قصبہ سکھوں کا مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے پورے ہندوستان میں اہم خیال کیا جاتا ہے بابا گرو نانک کے خلیفہ اوّل گرو انگت دیو کی جائے رہائش اور مدفن ہونے کی بنا پر قصبہ مذکور بہت پوتر اور متبرک مقام سمجھا جاتا ہے یہاں ہر سال سکھوں کا بہت بڑا مذہبی تہوار منایا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے سکھ اپنے گرو انگت دیو کے سالانہ میلہ کی تقریبات میں شرکت کرتے ہیں۔

حضرت رحمن شاہ ولی کا مزار بھی اسی قصبہ میں واقع ہے۔ یہی قصبہ کھڈور فقیر مؤلف کا آبائی مسکن اور مولد ہے۔

خاندان

خاکسار کا خاندان صدیوں سے مذکورۃ الصدر قصبہ کھڈور میں آباد رہا ہے۔ اس کے کچھ بزرگ زراعت پیشہ سے منسلک رہے جبکہ بعض بزرگوں نے نجاری کو بطور ذریعہ معاش اختیار فرمایا۔ اس کے خاندان میں ایک عظیم المرتبت بزرگ موسوم بہ حضرت محمد مقیم ہوتے ہیں۔ آپ

کا دورِ حیات اورنگ زیب عالمگیر کے بعد کا زمانہ ہے۔ فقیر کے دادا جان حضرت میاں خیر الدینؒ اپنے دور کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت دادا جان موصوف اپنے زہد و تقویٰ کی بنا پر پورے علاقہ میں معزز و محترم گردانے جاتے تھے۔ بندۂ ناچیز (مؤلف) عالم رؤیا میں حضرت میاں خیر الدینؒ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ فی الواقع عارف باللہ اور کامل درویش تھے۔ آپ غالباً ۱۸۸۵ء میں واصل باللہ ہوئے۔ ان دونوں بزرگوں کے آخری نشانات قصبہ کھڈور صاحب میں واقع ہیں۔

والدین کریمین

فقیر مؤلف کے والد گرامی کا نام حضرت میاں نواب الدین تھا۔ آپ حضرت میاں خیر الدینؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ والد ماجد انتہائی شریف النفس اور صاحب دل بزرگ تھے۔ باطنی کمالات اور جمالیات کا وافر حصہ لے کر دنیا میں شہود فرما ہوئے۔ تمام عمر ہزاروں عقید تمندوں کو فیض رسانی سے سرفراز فرماتے رہے۔ آپ انتہائی خوش خلق اور متواضع شخصیت کے مالک بزرگ تھے۔ چہرے پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی دکھائی دیتی۔ آپ نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کر دی تھی۔

حضرت والد بزرگوار اپنے دور کے ایک جلیل القدر بزرگ حضرت سیّد عجائب علی شاہؒ سے روحانی نسبت رکھتے تھے۔ حضرت سیّد موصوف قادری سلسلہ کے بہت باکمال مجذوب بزرگ تھے۔ آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ قصبہ فتح آباد ضلع امرتسر میں بسر کیا۔ حضرت والد بزرگوار کا زیادہ وقت اپنے پیرومرشد کے حضور میں گزرا۔ دونوں بزرگ

یک جان دو قالب کے مرتبۂ عشق پر فائز تھے۔ کوٹ محمد خاں (بھارت) کے ایک دوسرے مشہور بزرگ حضرت بابا لوٹے شاہ سے بھی والد بزرگوار کو دلی عقیدت اور رُوحانی نسبت تھی۔

حضرت والد بزرگوار کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ تن کا کُرتہ تک اُتار کر سائل کو دے دیتے تھے۔ فقیر کی تعلیم و تربیت میں قبلہ والد گرامی کی رُوحانی شخصیت کا بہت عمل دخل رہا۔ بی ایڈ اور ایم۔ایڈ کے اعلیٰ علمی درجات میں داخلہ اور کامیابی محض آپ کی دُعا اور نیک تمنا کا حاصل تھا۔ آپ فقیر کے ساتھ چل پڑتے۔ پھر کیا تھا۔ داخلہ بھی مل جاتا اور ماہوار وظیفہ بھی منظور ہو جاتا۔ حضرت والد گرامی تمام عمر فقیر سے سراپا خوش رہے اور ہزاروں دُعائیں دیں۔ ان کی باطنی توجہ کی برکت سے اس کا کبھی کوئی کام رُکنے نہیں پایا۔ حضرت قبلہ والد مرحوم کو اپنے اس درویش بیٹے (مؤلف) پر ہمیشہ فخر رہا۔ اس کی ہر ناز برداری کو والد گرامی شرفِ قبولیت سے نوازتے رہے۔ فقیر نے بھی آپ کے ہر حکم کی بجا آوری کو سعادت دارین خیال کیا۔

حضرت والد بزرگوار اُسّی سال کی عمر شریف میں یکم جنوری ۱۹۷۱ء بروز جمعۃ المبارک بوقتِ اذانِ اوّل جمعہ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ نمازِ جمعہ کی اذان سُن کر آپ نے فرمایا " لو بھئی! اب تو ہم آگے جا کر ہی نمازِ جمعہ ادا کریں گے "۔ اذان کے ایک منٹ کے بعد آپ کی رُوحِ مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ " اِرْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝ "۔ یوں آپ نے حضورِ حق میں باریابی کی سعادت حاصل کی۔ قبرستان پیر بخاری ساہیوال میں آپ کی قبر مبارک ہے۔ عجیب لطافت و کیفیت کا سماں وہاں طاری رہتا ہے

خواب میں فقیر کی آپ سے بالعموم ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ اپنے نیک مشوروں اور رُوحانی فیضان سے اکثر نوازتے رہتے ہیں۔

حضرت والد گرامی اس نیک طینت بزرگ خاتون کے لختِ جگر تھے جس کی قبر سے عرصہ دراز تک خوشبو آتی رہی۔ آپ بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار حضرت میاں خیر الدینؒ کے سایہ عاطفت سے محروم ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔ یہ آپ کی والدہ ماجدہ بزرگوار کی دعاؤں کا اثر تھا کہ مخلوقِ خدا آپ کے قدموں پر جھکنے لگی۔

فقیر کی والدہ بزرگوار کا اسم گرامی مہر النساء تھا۔ آپ خلوص و محبت اور زُہد و تقویٰ کا پیکر تھیں۔ آپ کی تمام زندگی انتہائی سادگی کے عالم میں بسر ہوئی۔ گو آپ زیادہ لکھی پڑھی خاتون نہ تھیں مگر سوز و گداز سے مملو دل ان کے پہلو میں دھڑکتا تھا۔ آپ اللہ تبارک و تعالیٰ سے یوں باتیں کرتی سنائیں دیتیں گویا ایک عظیم المرتبت ہستی فی الواقع ان کے روبرو تھی۔ آپ ہر وقت محبتِ الٰہی اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں سرمست و سرشار رہتی تھیں۔

طبیعت میں جمالیاتی رنگ کے ساتھ ساتھ قدرے جلالی شان بھی دکھائی دیتی تھی۔ بعض اوقات قلندرانہ انداز میں ہر شے سے بے نیاز ہو کر گفتگو فرمانے لگتیں۔ تمام رشتہ دار اور عقیدت مند احباب والدہ ماجدہ کو ایک درویش باصفا خیال کرتے تھے۔ آپ کی باتوں کا کوئی شخص بھی غصہ نہ کرتا۔ لوگ دُعا کے لئے آپ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے تھے۔

والدہ بزرگوار اپنے نو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ انتہائی شفقت سے پیش آتی تھیں۔ چار بیٹے اور ایک بیٹی بچپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ والدہ بزرگوار اپنی مرحوم اولاد کا ذکر بڑی محبت سے فرماتی تھیں اپنے زندہ پانچ بیٹوں کے ساتھ گہری محبت اور دلی وابستگی کا مظاہرہ فرماتی تھیں۔ ہر ایک کے حق میں خصوصی دعائیں مانگتی رہتی تھیں۔

خاکسار چونکہ اپنے والدین کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ لہٰذا والدین کریمین کی تمام تر توجہ کا مرکز بنا رہا۔ جب بھی کوئی مشکل درپیش ہوتی والدہ بزرگوار سراپا رحمت و شفقت بن کر سامنے آجاتیں۔ اس کی تعلیم و تربیت میں والدہ ماجدہ کی شخصیت کا خاص عمل دخل رہا۔ اساتذہ کی مقدور بھر خدمت اور عزت افزائی ان کا عمر بھر شعار رہا۔ اس کے حق میں درویشوں سے دعائیں لینا ان کا خاص معمول تھا۔ والدہ ماجدہ نے عمر بھر نہ اسے کبھی مارا اور نہ ہی زجر و توبیخ فرمائی۔ وہ خود بھی والدہ بزرگوار کی خدمت میں عظمت تصور کرتا تھا۔ ہر لمحہ ان کی رضا اور خوشنودی کو مقدم اور ان کی دعا کو حرز جاں تصور کرتا تھا۔

ابتدائی حالاتِ زندگی

فقیر تشکیل پاکستان سے پانچ سال قبل ۱۹۴۲ء میں ضلع امرتسر کے معروف قصبہ کھڈور صاحب میں پیدا ہوا۔ والدین نے علم الدین اس کا نام رکھا۔ والدین کا آخری بیٹا ہونے کے لحاظ سے والدین بڑے بھائیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے والہانہ محبت اور شفقت میسر آئی۔

نام کی وجہ تسمیہ

فقیر کے خاندان کے ایک شہرہ آفاق بزرگ غازی علم الدین شہیدؒ

نے ۱۹۲۹ء میں راج پال نامی ایک ہندو (گستاخ رسول) کو واصل جہنم کیا تھا اور خود شہادت کا درجہ پایا۔ فقیر کے والد بزرگوار اپنے اس بزرگ کی نماز جنازہ میں شامل ہوتے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے بزرگ کی عظمت اور محبت کو دیکھ کر والد ماجد کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں ایک اور فرزند سے نوازیں تو اس کا نام اس عظیم المرتبت شہید کے نام پر علم الدین رکھا جائے گا۔ والد ماجد کی دعا کچھ عرصہ کے بعد بارگاہ قدس میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ حسب آرزو والدین کریمین نے فقیر کا نام علم الدین رکھا۔ اس پُر عظمت اور ہر دلعزیز نام کو بہت سراہا گیا۔

برادرانِ عظام

فقیر کے چار برادران عظام میاں محمد اسماعیل، محمد خلیل، محمد صدیق اور عبد المجید ہیں۔ چاروں بھائی عمر میں بڑے ہیں۔ انتہائی شریف النفس، خلیق اور ملنسار ہیں۔ تمام برادران اپنے اپنے کام اور فن میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔ لوگ انھیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

تعلیم و تربیت

ناظرہ خواندگی قرآن مجید

ابتدائی مذہبی تعلیم کا آغاز خاندانی روایات کے مطابق گھر پر ہی ہوا۔ تقسیم برّصغیر پاک و ہند کے نتیجہ میں ۱۹۴۷ء میں آبائی قصبہ کھڈور صاحب چھوڑنا پڑا اور ڈلمین گنج ضلع ساہیوال (پاکستان) میں سکونت اختیار کی گئی۔ فقیر نے وہاں اپنے زمانے کے قطب حضرت مولانا اللہ بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں قرآن مجید ناظرہ پڑھنا شروع کیا۔ حضرت صاحب موصوف کی بے پناہ شفقت کا کرشمہ تھا کہ جلد ہی قرآن مجید ناظرہ طور پر پڑھ لیا گیا۔

رسمی تعلیم و تربیت

۱۹۴۹ء میں موضع ڈلمین گنج کے گورنمنٹ پرائمری سکول سے باقاعدہ رسمی تعلیم کا آغاز ہوا۔ انتہائی شفیق اور فاضل اُستاد جناب احمد علی صاحب کی زیر تربیت ابتدائی دو درجات کی تکمیل ہوئی۔ ترکِ سکونت کے نتیجہ میں والدین ۱۹۵۱ء میں ساہیوال شہر میں رہائش پذیر ہوئے۔ چنانچہ مضافاتی گورنمنٹ پرائمری سکول موضع ۸۹/۹۔ایل میں درجہ سوم میں داخلہ لیا گیا۔ وہاں تجربہ کار محنتی اور دردِ دل رکھنے والے اساتذہ کرام کی راہنمائی اور تربیت میسّر آئی۔ جناب حاجی شاہ محمد، جناب محمد ایوب اور جناب سید حفیظ الرحمٰن شاہ صاحبان ایسے بزرگ اساتذہ کرام کے زیر تربیت درجہ پنجم کا امتحان امتیازی حیثیت میں پاس کیا گیا۔

۱۹۵۴ء میں پنجاب کے تاریخی اور مشہور و معروف تعلیمی ادارہ

گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں جماعت ششم میں داخلہ لیا گیا۔ رانا عبدالرحمن، چوہدری عابد حسین اور جناب شیخ محمد الطاف حسین ایسی علم و عرفان کی مربی شخصیات کی راہنمائی میں مڈل اور میٹرک کے محکمانہ امتحانات درجہ اول میں پاس کئے گئے۔ اس عہد ساز ادارہ کی ست نذار روایات کا دل و دماغ پر اس قدر اثر ہوا کہ حصول علم و حکمت کے لئے دل میں بے پناہ تڑپ پیدا ہو گئی۔

۱۹۵۹ء میں گورنمنٹ کالج ساہیوال میں داخلہ لیا گیا۔ کالج میں دو سال کا قیام تعلیمی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہوا۔ ایف اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بحیثیت پرائیویٹ امیدوار بی اے اور ایم۔ اے (اردو) کے اعلیٰ علمی امتحانات پاس کئے گئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا اس قدر فضل و کرم شامل حال رہا کہ ۱۹۶۲ء میں فاضل فارسی کا امتحان بغیر کسی محنت و مشقت کے پاس کر لیا گیا۔ مزید یہ کہ فقیر کو فاضل فارسی کے امتحان میں ضلع بھر میں نمایاں حیثیت حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ صرف انیس سال کی عمر میں اسے مولانا روم کی مثنوی شریف کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل ہو چکی تھی۔ اور اس کے نتیجہ میں فقیر کو عشق و محبت کی دولت سے سرفراز فرما دیا گیا تھا۔

۱۹۶۶ء میں بی ایڈ اور ۱۹۶۸ء میں ایم ایڈ کے اعلیٰ تدریسی امتحانات اللہ تبارک و تعالیٰ کے خاص فضل و کرم کے نتیجہ میں پاس کر لئے گئے۔ پروفیسر عبدالحق تاثیر، پروفیسر ڈاکٹر وصی اللہ اور پروفیسر شمیم حیدر ترمذی ایسی باکمال علمی شخصیتوں سے اکتساب فیض کا موقع نصیب ہوا۔ ان فاضل اساتذہ کرام کے وسیع تجربہ، تبحر علمی اور تعلیمی اداروں کی خوشگوار تعلیمی فضا کے زیر اثر فقیر کے علمی و ادبی ذوق میں بے پناہ اضافہ ہوا۔

سیر و سیاحت

فقیر کو سیر و سیاحت اور مزارات مشائخ کی زیارت کا شوق والدین کریمین سے ورثہ میں ملا تھا۔ رسمی تعلیم و تربیت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے سیر انفس و آفاق کی توفیق ارزاں فرمادی تھی۔ برصغیر پاک و ہند کی تقسیم سے قبل ۱۹۴۵ء میں فقیر ہندوستان سے پاکستان دو مرتبہ والدین کی معیت میں اپنے بزرگوں کو ملنے کے لئے آیا۔ دوران سفر چند روحانی شخصیتوں کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ حضرت بابا بلھے شاہؒ کے مزار پر بھی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

رسمی تعلیم و تربیت کے دوران پاکستان کے دور دراز علاقوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ چنانچہ مشاہدہ کائنات کے علاوہ ہر ذوق کے افراد سے بالمشافہ ملاقات کا موقع میسّر آیا۔ کئی ایک غیر ملکی دانشوروں کے خطبات سے بھی استفادہ کا موقع ملتا رہا۔ کراچی تا مری بیشتر تاریخی اور روحانی مراکز پر بارہا حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہ سفر فقیر کے لئے فی الواقع وسیلۂ ظفر ثابت ہوا۔

ملازمت

بموجب فرمان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہ "توکل کر کسب میں چھپا لو" فقیر نے معلمی کو بطور ذریعہ معاش اختیار کیا۔ ملازمت کا آغاز ۱۹۶۳ء میں بحیثیت ایس وی معلم ہوا۔ اللہ تبارک تعالےٰ نے ذوق پرواز کا وافر حصہ ودیعت فرمایا تھا۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں بی۔ایڈ اور ایم ایڈ معلم کی حیثیت سے طلباء کی تعلیم و تربیت کا خوشگوار عمل شروع ہو گیا۔ طلباء کی طرف سے ہمیشہ حوصلہ افزا پذیرائی کا مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔

منٹگمری انبیاء ہائی سکول، اسلامیہ ہائی سکول اور گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال میں قیام کی خوشگوار یادیں زندہ جاوید رہیں گی۔ کچھ عرصہ تک ادارہ تعلیم و تحقیق پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی معلّمی کے فرائض سرانجام دیئے گئے۔ رفقاءِ کار اور زیرِ تربیت طلباء نے بے پناہ محبّت اور عقیدت کا مظاہرہ فرمایا۔ بہاولپور بہاولنگر اور پاکپتن شریف میں فقیر کی تدریسی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا

اللہ تعالیٰ اور سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہمیشہ ہی سے فقیر پر خاص فضل و کرم رہا ہے۔ گریڈ نمبر ۵ سے ترقی پاکر گریڈ نمبر ۱۸ میں پہنچ جانا صرف اور صرف سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نظرِ شفقت کا اعجاز ہے۔ یک صد روپے مشاہرہ سے چھ ہزار روپے مشاہرہ تک عروج محض اللہ تعالیٰ کی بندہ نوازی کا کرشمہ ہے۔ عمر بھر بندۂ ناچیز کو فکرِ معاش سے بے فکر رکھا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

مزارات مشائخ پر حاضری کی سعادت

فقیر کے والد بزرگوار خود ایک درویش صفت بزرگ تھے نیز وہ درویشوں سے والہانہ عقیدت بھی رکھتے تھے۔ جب کبھی درویشوں کی خدمت میں شرف باریابی پاتے تو بندۂ ناچیز (مؤلّف) کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے۔

وہ وقت اچھی طرح یاد ہے جب ۱۹۲۵ء میں والد ماجد فقیر کو اپنے ہمراہ ایک خانقاہ شریف پر لے گئے تھے۔ مزار پر موجود ایک درویش نے ہمیں روغنی اور شیریں روٹی عنایت فرمائی۔ وہ لذّت بھری روٹی اس نے

والد بزرگوار کے ساتھ مل کر کھائی۔ اس تبرک کی لطافت کا احساس اب تک باقی ہے۔

ترکِ وطن کے نتیجہ میں پاکستان پہنچ کر بھی سیر و سیاحت کا سلسلہ جاری رہا۔ پاکستان میں تمام مشہور و معروف مزارات پر کثرت سے حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان روحانی مراکز کے فیضان کے نتیجہ میں ایسے نورِ بصیرت کی دولت سے مشرف فرمایا گیا۔ مزارات حضرت بابا فریدؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ پر کثرت سے حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ حتیٰ کہ بزرگان موصوف سے عالمِ مثال میں بالمشافہ ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ان بزرگوں نے اپنے روحانی فیض سے بندۂ ناچیز کو بار بار سرفراز فرمایا۔

معاصر مشائخ کی خدمت میں باریابی

ہر کہ بیند روئے پاکاں صبح و شام
آتشِ دوزخ بُوَد بروئے حرام

فقیر از راہ محبت و عقیدت پاکستان کے ہر معروف بزرگ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا اور حسب ذیل معاصر مشائخِ عظام کے فیضِ صحبت سے عملی طور پر مشرف ہوا۔

حضرت میاں علی محمدؒ بسی شریف پاکپتن
حضرت سید امور الحسنؒ شاہ صاحب پاکپتن
پیر عبدالمجید دیول شریف
خواجہ محمد معصوم مری
خواجہ نجم الدین گوجرانوالہ

حضرت سید محمد اسمٰعیل بخاریؒ کرماں والے

حضرت سید محمد علی کرماں والے

حضرت سید چراغ النبیؒ کہروڑ پکا

حضرت میاں جمیل احمد شرقپور شریف

حضرت خواجہ عبدالسلام گوجرانوالہ

حضرت بابا پیر فقیر بٹخیلہ شریف

حضرت سید مرید حسین مستؒ ساہیوال

حضرت پیر افضل حسین شاہ سجادہ نشین علی پور شریف

حضرت پیر ظہور اسمٰعیل عبدالحکیم

حضرت سائیں غلام قادر ساہیوال

بابا مہنگا ساہیوال

حافظ محمد صدیق درویش ترکھنی بنگلہ عارف والا ساہیوال

بابا فضل شاہؒ نور والے لاہور

حضرت نور جہانیاں سجادہ نشین خواجہ نور محمد مہاروی چشتیاں شریف

حضرت دیوان احمد یار سجادہ نشین بابا تاج سرور چشتی چشتیاں شریف

پیر غلام دستگیر سجادہ نشین دربار محسن کمال قبولہ شریف

مولانا منظور احمد شاہ ساہیوال

مولوی محمد علیؒ جالندھری

خواجہ محمد العزیز الغنی ہارون آباد

قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ

علامہ شمس الحق افغانی رح

مولانا عبدالقادر آزاد خطیب بادشاہی مسجد لاہور

حضرت سید زین الدین الگیلانی بغداد شریف

سید طاہر علاؤ الدین صدیقی بغدادی

علامہ طاہر القادری لاہور

حضرت سلطان فیاض الحسن سجادہ نشین دربار حضرت سلطان باہوؒ

حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری

میاں اکبر علی قبرستان سردار نور محمد موکل ساہیوال

صوفی شفیق احمد فضلی ملکہ ہانس

صوفی محمد امتیاز بینک منیجر چیچہ وطنی

پیر تاج علی ساہیوال

پیر علی احمد صابر ساہیوال

مالی شاہی درویشاں

مولانا محمد یار مجددی خطیب و بانی دارالسکینہ صدر جھنگ

میاں نور الحسن نزد لوڑے والا

بابا جیلا (مجذوب) نزد پُل لوئر باری دوآب ساہیوال

بابا چھلے شاہ نزد بھٹہ خشت (خواتین کالج روڈ) ساہیوال

صوفی محمد صدیق نزد پاور ہاؤس ساہیوال

بابا سیاہ پوش مرید خاص بابا مست کھٹو نگر ساہیوال

پیر اعجاز حسین سجادہ نشین دربار حضرت محمد مقیم حجرہ (اوکاڑہ)

حضرت بابا کالا (مجذوب) ساہیوال

محمد شریفؒ (مجذوب) ساہیوال

بابا حاجی محمد علی سیاہ پوش ؒ ڈھالی شریف ساہیوال

بابا ماڑا غلہ منڈی ساہیوال

بابا چپ شاہ (مجذوب) ضلع کچہری ساہیوال

دیوان غلام قطب الدین سجادہ نشین دربار حضرت بابا فرید گنج شکر پاکپتن

محمد بالو عرف بابا لعل قلندر۔ غلہ منڈی۔ ساہیوال

بابا تھانیدار (مجذوب) ساہیوال۔

دانشورانِ وقت کا فیضانِ نظر

فقیر حسب ذیل دانشورانِ وقت کے کلام اور فیضِ صحبت سے مشرف ہوا:

علامہ علاؤ الدین صدیقی (مرحوم) وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی لاہور

مولانا برکات احمد (مرحوم) نشگل انبیاء ہائی سکول نمبر ۱ ساہیوال

مولانا حبیب اللہ (مرحوم) جامعہ رشیدیہ ساہیوال

ڈاکٹر وصی اللہ آئی ای آر لاہور

حاجی محمد رمضان پرنسپل ٹریننگ کالج ساہیوال

مولوی بشیر احمد خطیب مدینہ مسجد ساہیوال

مولانا عبدالستار خان نیازی

ڈاکٹر جاوید اقبال پسر علامہ اقبال لاہور

سید تجمل عباس ڈپٹی کمشنر ساہیوال

مولانا فیض الحسن (مرحوم) وزیر آبادی

مولانا شاہ احمد نورانی کراچی

مولانا احتشام الحق تھانوی کراچی

پروفیسر نذیر نیازی (مرحوم) لاہور

مولوی محمد عمر اچھروی (مرحوم) لاہور

شیخ محمد عمر پرنسپل گورنمنٹ ہائی سکول ساہیوال

پروفیسر خالد محمود لندن

سردار شجاع اللہ موکل ساہیوال

نصرت فتح علی خان قوال فیصل آباد

آثارِ بزرگان کا فیض

فقیر نے عمر بھر حسب ذیل کتب کے استحسانی مطالعہ کی سعادت حاصل کی اور مصنفین کے رُوحانی فیضان سے سرفراز ہوا۔

قرآن مجید

کتب احادیث

فصوص الحکم ——— (عبدالرحمٰن ابن عربی)

احیاء العلوم الدّین ——— امام غزالیؒ

کیمیائے سعادت ——— امام غزالیؒ

حجۃ اللہ البالغہ ——— شاہ ولی اللہ

مثنوی مولانا روم ——— مولانا رومیؒ

فیہ ما فیہ ——— مولانا رومیؒ

کتب تصوف ——— حضرت سلطان باہوؒ

کشف المحجوب ——— سید علی ہجویریؒ

فوائد الفواد ـــــــ حسن سنجری رح
نفحات الانس ـــــــ عبدالرحمٰن جامیؒ
گلستان و بوستان ـــــــ مولانا سعدیؒ
عوارف المعارف ـــــــ حضرت شہاب الدین سہروردی
غنیتہ الطالبین ـــــــ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح
فتوح الغیب ـــــــ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح
کلیاتِ اقبال ـــــــ علامہ اقبال
شمس المعارف ـــــــ شیخ ابوالعباس احمد بن علی بونی عربی
متوفی سنہ ۱۴۴۵ء
دیوان حافظ ـــــــ حافظ شمس الدین شیرازی
دیوان دردؔ ـــــــ خواجہ میر دردؔ دہلوی
نصاب ایم اے اردو ۔ ایجوکیشن ۔ فاضل فارسی
کتاب التقدیر ـــــــ علامہ حافظ ابن قیمؒ
عقلیات ابن تیمیہ ـــــــ ابن تیمیہ
مقدمہ تاریخ عالم ـــــــ ابن خلدون
منطق الطیر ـــــــ فریدالدین عطارؔ ۔
اخبار الاخیار ـــــــ عبدالحق محدث دہلوی
تذکرۃ الاولیاء ـــــــ فریدالدین عطارؔ
رسائل تصوف ـــــــ حضرات اجمیری کاکی فرید رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین
الاوراد ـــــــ حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی

حجرۂ عزلت میں مراقبہ

اَلقاءِ غیبی کے نتیجہ میں گھر میں ایک قبر نما تہہ خانہ بنایا گیا۔ تین ماہ تک مسلسل فقیر کا رات کا وقت اس تہہ خانہ میں اللہ کی یاد میں بسر ہوا۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زیارت بھی اِسی تہہ خانہ میں مراقبہ کے دوران ہوئی۔ بعدازاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کا شرف نصیب ہوا۔

تہہ خانہ میں ہر رات مُبشرات کا پیغام لائی۔ بعدازاں مبشرات کا لگاتار سلسلہ جاری ہوگیا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ بے پایاں کے نتیجہ میں یہ سلسلہ تاہنوز جاری ہے ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۝

رُوحانی نسبت

رُوحانی نسبت کی حقیقت

راہ طریقت کی ابتداء میں طالب حق کو اس کی سفلی کیفیت کی وجہ سے جناب حق سبحانہ و تعالیٰ سے کوئی بھی مناسبت نہیں ہوتی اس وقت درمیان میں دو جہتوں والے واسطہ یا برزخ کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ بندہ اور مولا تعالیٰ کے درمیان شیخ طریقت برزخ اور واسطہ کا کام دیتا ہے۔ رُوحانی نسبت کا مقصد وحید اسی واسطہ کا حصول ہے۔

حق تعالیٰ اور مردِ کامل میں ایک خاص رُوحانی مناسبت ہوتی ہے ہر چند کہ مردِ حق کا ظاہر خلق کے ساتھ مگر اس کا باطن حق کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ ایک شیخ کامل مرید کے لئے اللہ تعالیٰ سے روحانی نسبت پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

شیخ طریقت اپنے مرید کے لئے متبوع کامل ہوتا ہے جبکہ خود مرید تابع کامل، جب تابع کامل پر متبوع کامل کی صفات کا پرتو پڑتا ہے تو وہ آنِ واحد میں بھرپور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شیخ کامل کی باطنی توجہ سے مرید صادق کو ارواحِ لطیفہ سے بشارتیں آنے لگتی ہیں۔

ایک آفاقی اصول کے تحت ہر شخص سے ایک خاص قسم کا عمل تموّج جاری رہتا ہے۔ نیک آدمی سے نیکی اور بد سے بدی کا یہ عمل ہر وقت وقوع پذیر ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے متوسلین اس کے خاص تموّج سے تاثر قبول کرتے ہیں۔ اس اصول کے مطابق ایک شیخ طریقت بھی اپنے مرید پر اثر انداز ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ ایک مردِ کامل کی توجّہ سے نفس کے انوار روح میں درج ہونے لگتے ہیں۔ تصوّرِ شیخ کے فیضان سے اعمال درست ہوتے ہیں۔ مگر اعمال کے بدیہی ثمرات احوال ہوتے ہیں۔ چنانچہ تصوّرِ شیخ سے مریدِ صادق پر احوال مسلط ہونے لگتے ہیں۔ تصوّرِ شیخ ذکرِ الٰہی کی قریب ترین راہ ہے۔

ایک مردِ کامل کی صحبت اور معیّت کے برابر اور کوئی چیز نہیں۔ خواہ یہ صحبت خواب ہی میں کیوں نہ ہو۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریاء

ایک حدیث مبارکہ میں وارد ہے کہ اللہ تعالےٰ نے عقل کو اپنے بندوں میں الگ الگ تقسیم فرمایا ہے۔ ہر چند کہ بندوں میں علم، تقویٰ اور عبادت وغیرہ کی ظاہری صورت یکساں ہو سکتی ہے۔ مگر ان میں عقل کے باہمی تفاوت کی وجہ سے ان اداؤں کی کیفیات میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چونکہ ایک شیخِ کامل عقل میں بھی کامل تر ہوتا ہے۔ لہٰذا مریدِ صادق پر شیخِ کامل کی شخصیت کے رُوحانی اثرات کا ترتب ہونے لگتا ہے۔

راہِ طریقت کی ابتدائی منزل میں مطلوبِ حقیقی کو شیخِ طریقت کے آئینہ کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا۔ گو منزلِ مراد پر پہنچ کر شاذ و نادر اس واسطہ کی چنداں ضرورت نہ رہے گی۔ مرشدِ کامل کی ذات بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے کمالات کا مظہر ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ سے دلی مُرادوں کو شیخِ کامل کے رُوحانی فیضان سے حاصل کیا جاتا ہے۔

انبیاء اور اولیاء احوال پر غالب ہوتے ہیں۔ اور وہ احوال کو پلٹ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک شیخِ کامل کی باطنی توجہ سے مریدِ صادق کی خوابیدہ

صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔ وہ ان صلاحیتوں کے ذریعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم تک رسائی حاصل کرتے ہوئے بالآخر بارگاہ قدس تک عروج حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ ۝

فقیر کی اپنی والدہ بزرگوار سے رُوحانی نسبت

فقیر بچپن ہی سے کسی مرد کامل کی تلاش میں سرگرداں اور بے قرار رہا۔ مگر جب کہیں سے بھی ذوقِ سلیم کی تسکین نہ ہوئی تو بالآخر ۱۹۸۴ء میں بعمر اکتالیس سال اپنی والدہ بزرگوار کے حضور جبینِ نیاز جھکائی۔ والدہ بزرگوار نے فقیر کو اپنی ارادت میں قبول فرمایا چنانچہ والدہ ماجدہ کی روحانی راہنمائی اور خصوصی دُعاؤں کے سہارے بندۂ ناچیز روحانی منازل طے کرنے کے شوق سے سرشار ہوا۔

اویسی نسبت رُوحانی کی حقیقت

شیخ طریقت حضرت فریدالدین عطار فرماتے ہیں کہ "اولیاء اللہ کا ایک ایسا گروہ بھی ہے جس کو مشائخ طریقت "کبرائے حقیقتِ اویسی" کہتے ہیں۔ عام اصولِ طریقت کے برعکس اِن حضرات کو کسی ظاہری پیر طریقت اور مرشد کی حاجت نہیں ہوتی۔ البتہ خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلّم غایت التفات سے ان حضرات کی بغیر کسی غیر کے اپنی آغوشِ رحمت میں پرورش فرماتے ہیں۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنیؓ کی تربیت فرمائی تھی یہ بڑا عالی اور بلند مقام ہے۔ ہر شخص کو یہاں تک رسائی حاصل نہیں اور یہ روحانی دولت ہر ایک کے نصیب میں نہیں۔

بعض سلف صالحین نے بھی اپنے عقیدتمندوں کی روحانی تربیت

فرمائی دریں حالیکہ ان کا بظاہر کوئی پیرِ طریقت نہ تھا، چنانچہ یہ جماعت بھی اویسیوں میں داخل ہے۔ ابتدائے سلوک میں اس مقام کی طرف بہت سے مشائخ عظام کی توجہ ہوئی۔ رُوحانی تربیت کا یہ غیبی سلسلہ بحالت خواب (عالم مثال میں) جاری رہتا ہے تاآنکہ ایک رُوحانی مرید اپنی منزلِ مراد کو پا لیتا ہے۔

یہ ایک زندہ جاوید حقیقت ہے کہ حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ نے رُوحانی طور پر حضرت شیخ نجم الدین کبریٰؒ سے رُوحانی فیض حاصل کیا تھا، جبکہ فی الحقیقت دونوں بزرگوں میں زمانی فاصلہ صدیوں پر محیط تھا۔ اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا سلسلۂ طریقت حضرت بایزید بسطامی سے وابستہ تھا گو دونوں بزرگوں کے دَورِ حیات میں صدیوں کا فاصلہ حائل تھا۔ علامہ اقبال خود کو پیرِ رُومی کا رُوحانی مرید سمجھتے ہیں جبکہ دونوں بزرگوں میں زمانی فاصلہ تقریباً سات سو سال کا ہے۔ حضرت سُلطان باہُوؒ اپنے رُوحانی پیر حضرت غوث الاعظمؒ کے پروردۂ فیض ہیں۔ اور بالآخر اپنے رُوحانی مرشد کی باطنی توجہ سے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک رسائی پاتے ہیں۔

بعض بزرگوں کو ظاہری پیرِ طریقت کی سرپرستی کے باوجود بھی سابقہ رُوحانی شخصیتوں سے رُوحانی فیض حاصل ہونے لگتا ہے۔ ایسے بزرگ بھی اویسی بزرگ ہی کہلاتے ہیں۔

ظاہری پیرِ طریقت کے فیضان کی سند بھی یہی ہے کہ اُس کے توسّل سے ایک مرید کا سابقہ رُوحانی شخصیتوں سے رُوحانی رابطہ قائم ہو جاتے حتیٰ کہ اسے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضری کی سعادت نصیب ہو جائے۔

فقیر کی اویسی نسبت رُوحانی

ا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی فضل و کرم

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فقیر پر ہمیشہ سے خصوصی لطف و کرم رہا ہے۔ آپؐ نے اپنی زیارت سے بارہا فقیر کو مشرف فرمایا۔ یہ کیفیت خواب کے دوران طاری ہوئی۔

بوقت حضوری سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہیں اور دیر تک دبائے رکھتے ہیں۔ بعدازاں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سر پر سات بار اپنا دستِ شفقت پھیرتے ہیں۔ فقیر پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ آنکھوں سے زاروقطار آنسو جاری ہیں۔ آپؐ انتہائی محبت و شفقت سے پیش آتے ہیں۔

کچھ دیر کے بعد فقیر ہوش میں آتا ہے اور قدرے سنبھلتا ہے۔ پھر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم شمالی جانب ایک خوبصورت باغ کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔ فقیر دیگر دس عاشقانِ زار کے ہمراہ آپؐ کے پیچھے پیچھے باغ میں چلا جاتا ہے۔

ب۔ ایک رُوحانی شخصیت سے رُوحانی فیض

دیکھا کہ بندۂ ناچیز عالمِ رویا میں پاکپتن چوک ساہیوال میں کھڑا ہے اور دوسرے لوگوں کے ہمراہ کسی عظیم المرتبت شخصیت کی آمد کا منتظر ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک فرشتہ صورت اور فرشتہ سیرت بزرگ لاہور سے تشریف لاتے ہیں۔ تمام زائرین اور عقیدتمندوں کے حق میں دُعائے خیر فرماتے ہیں۔

خاکسار کو وہ بزرگ اپنے سینے سے لگا لیتے ہیں۔ دریں اثناء یوں محسوس ہوتا ہے کہ بزرگ موصوف کے سینہ سے کوئی لطیف شے فقیر کے سینہ اور دل کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ اس پر فقیر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے تاہم وہ اس رُوحانی لطافت کو برداشت نہیں کر پاتا اور عالم کیف و مستی میں بے خود ہو جاتا ہے۔ بزرگ موصوف فقیر کو اپنے بازوؤں میں تھامے رکھتے ہیں۔ فقیر کے کچھ ہوش میں آنے پر وہ بزرگ پاکپتن شریف جانے کا ارادہ فرماتے ہیں۔ لوگ اصرار کرتے ہیں کہ یا حضرت! آپ ہمیں نماز فجر کی امامت سے مشرف فرمائیں لیکن آپ فرماتے ہیں کہ انھیں پاک پتن شریف حضرت بابا فریدؒ کی مسجد میں نماز فجر ادا کرنا ہے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ پاک پتن شریف کی جانب روانہ ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ نسبت ارادت اور نسبت تلقینِ ذکر اور چیز ہے مگر نسبت صحبت بھی خوب ہے۔ نسبتِ صحبت سے بھی خصوصی فیض اور رُوحانی تربیت حاصل کی جا سکتی ہے۔ بندۂ ناچیز (مؤلف) کو اس کیفیت سے عملی طور پر سرفراز فرمایا گیا۔

ج۔ عالم مثال میں رؤیتِ باری تعالیٰ

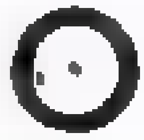
۱۹۸۱ء میں فقیر کو اللہ تبارک وتعالیٰ مثالی صورت میں اپنے چہرۂ عالم تاب کی زیارت سے مشرف فرماتے ہیں۔ فقیر نے دیکھا کہ عالم مثال میں اللہ تبارک وتعالیٰ ایک باغ میں واقع مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اللہ تعالیٰ محبت بھری نگاہ سے بندۂ ناچیز کی طرف دیکھتے ہیں۔ یہ رُوح پرور منظر ہر وقت فقیر کی آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔

۵۔ بارگاہِ غوث الاعظمؒ میں باریابی

فقیر نے عالم مثال میں دیکھا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، حضرت بابا فریدؒ اور حضرت داتا گنج بخشؒ ایک رُوحانی محفل میں تشریف فرما ہیں۔ فقیر بھی خود کو وہاں موجود پاتا ہے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی فقیر کی پشت پر محبت بھرا ہاتھ رکھتے ہیں اور تھپکی سے نوازتے ہیں۔ بعدازاں فرماتے ہیں کہ "بیٹے! تمہارا معاملہ درست رہے گا۔"

۶۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کا رُوحانی فیض

ایک خوابی ملاقات کے دوران حضرت داتا گنج بخشؒ کی خدمت میں فقیر کو تین گھنٹے کی طویل حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ اثنائے گفتگو آپ نے فقیر کو عالم لطافت کے بعض اہم اسرار و رموز سے بھی آگاہ فرمایا۔



الطاف القدسؒ

تجلیاتِ الٰہیہ کے کرشمے

اللہ تعالیٰ کا فقیر مؤلف پر ہمیشہ سے خاص فضل و کرم رہا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے اسے اپنی خاص محبت سے سرفراز فرمایا۔ نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اس کے دل میں جاگزیں فرما دیا گیا۔ ذوق و شوق اور سوز و مستی کی دولت سے مشرف فرمایا گیا۔ دل بیدار مرحمت فرماتے ہوئے نعمتِ ذکر و فکر سے متمتع کیا گیا۔

یہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خصوصی نظرِ شفقت کا اعجاز ہے کہ فقیر مؤلف کا دل حسن و لطافت کی طرف مائل ہونے لگا۔ چنانچہ اسی ذوقِ پرواز کے نتیجہ میں پاکیزہ اور روحانی محافل سے پردے اٹھنے لگے۔ مقاماتِ مقدسہ کی عالمِ رؤیا میں زیارت کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ۔ بغداد۔ سمرقند۔ پاکپتن۔ چشتیاں۔ لاہور قصور عالم برزخ حشر و نشر جنت عالم لطافت اور آسمان اوّل تک کے روحانی مشاہدات کی سعادت سے اسے مشرف فرمایا گیا۔ علاوہ ازیں متعدد بلادِ اسلامیہ اور دیگر ممالک کی عالمِ رؤیا میں سیر سے بھی سرفراز فرمایا گیا۔ انبیاء و اولیاء کے حضور حاضری سے نوازا گیا۔ غرضیکہ کائنات کی ہر اہم شے کی حقیقت کا فقیر کو عالم مثال میں مشاہدہ کروایا گیا۔

بیشتر رُوحانی شخصیتوں کے حضور بار بار حاضری کی سعادت سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت آدم علیہ السّلام اور حضرت حوّا علیہا السّلام کی خدمت میں

باریابی کا شرف نصیب ہوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زیارت سے مشرف فرمایا گیا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں بارہا حاضری کی سعادت سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت علیؓ حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ الیسی نابغہ روزگار روحانی شخصیتوں کے حضور حاضری سے ایسے مشرف کیا گیا۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت داتا گنج بخش اور حضرت بابا فریدکی خدمت میں بارہا حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی، حضرت علامہ اقبال اور حضرت معین الدین چشتی اجمیری کی بارگاہ میں فقیر مؤلف کو حاضری کی سعادت کا اعزاز حاصل ہوا۔ مزید برآں ان جملہ روحانی شخصیتوں سے اکتساب فیض کا موقع بھی نصیب فرمایا گیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء۔

درویش خانہ اور مسجد علم و عرفان کی تعمیر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا خصوصی فضل و کرم فرماتے ہوئے فقیر مؤلف کی ایک دیرینہ آرزو کو پورا فرمایا۔ آرزو یہ تھی کہ درویشانِ باصفا کے لئے قیام و طعام اور ذکر و فکر کا اہتمام کیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک قطعہ اراضی حاصل کیا جائے۔ درویش خانہ اور خانقاہ کے علاوہ وہاں ایک مسجد بھی تعمیر کی جائے۔ چنانچہ ۱۹۸۴ء میں خیابانِ موضع ۹/۹۴۔ ایل (ساہیوال) پر پینتالیس مرلہ اراضی کا پردۂ غیب سے اہتمام فرما دیا گیا۔

بحمدہٖ تعالیٰ درویش خانہ کے دلکش سبزہ زار میں مسجد علم و عرفان کی تعمیر مکمل ہو چکی ہے۔ اب تک تقریباً ستر ہزار روپے کی خطیر رقم اس فلاحی اور روحانی ادارہ پر صرف کی جا چکی ہے۔ مزید تعمیر کا کام جاری ہے۔ درویش خانہ میں رُوحانی محفل کے انعقاد کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔ مسجد علم و عرفان میں

نمازِ جمعہ کا روح پرور منظر دیدنی ہوتا ہے۔ علم و عرفان کے متلاشی احباب دور و نزدیک سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے درویش خانہ میں بصد شوق تشریف فرما ہوتے ہیں
فقیر مؤلف کا آخری نشان بھی درویش خانہ میں مسجد علم و عرفان سے متصل شمالی حجرہ میں ہی ہوگا۔ انشاءاللہ۔

تبلیغِ دین اور سلسلۂ وعظ و نصیحت

فقیر مؤلف کے دل میں ہر وقت یہی شوق موجزن رہتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر سنا جائے یا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ذوق کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ مبارک لوگوں کو سنایا جائے۔ اس ذوق کی تسکین کے لئے دُور و نزدیک کے ہر درویش کی محفل میں حاضری کی سعادت کو وہ حرزِ جاں خیال کرتا ہے۔ خداوند قدوس نے اسے خود بھی ذوقِ سخن سے سرفراز فرمایا ہے اور اس کی گفتگو میں الفا پذیری کی خوبی پیدا فرما دی ہے۔ جملہ احباب اس کا کلام سننے کے مشتاق رہتے ہیں۔ کبھی کبھی روحانی محافلِ ذکر میں بھی اسے دعوتِ ارشاد دی جاتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ شفقت کی بدولت پذیرائی کا عالم دیدنی ہوتا ہے۔ کثیر تعداد میں لوگ فقیر کی محفل میں شمولیت کے متمنی رہتے ہیں۔

خوشگوار ازدواجی زندگی

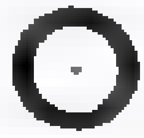
۱۱ اپریل ۱۹۶۴ء بروز جمعۃ المبارک فقیر مؤلف کی شادی اس کی اپنی برادری میں انعقاد پذیر ہوئی۔ ازدواجی زندگی انتہائی خوشگوار طریقے سے بسر ہوئی۔ ۲۱ جنوری ۱۹۶۵ء بروز جمعۃ المبارک فقیر کو پہلے بیٹے سے سرفراز فرمایا گیا۔ حضرت فریدالدین مسعود گنج شکر کے نام کی نسبت سے نومولود کا نام محمد مسعود فریدی رکھا گیا۔ دوسرا بیٹا محمد یوسف

نامی آٹھ سال بعد عطا کیا گیا۔ تیسرے بیٹے کا نام محمد یونس منشاء ہے۔ چوتھا بیٹا حامد علی درویش کے نام سے موسوم ہے۔ سات دختران ہیں جو کہ زیر تعلیم ہیں۔ انتہائی ہونہار اور وفاکیش ہیں۔ اس طرح گیارہ بچوں سے فقیر مؤلف کو سرفراز فرمایا گیا۔ الحمد للہ رب العالمین ٥

خاص عطیہ ربانی

اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل و کرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فقیر مؤلف کو حامد علی درویش ایسے آخری بیٹے سے نوازا جو پیدائشی طور پر خاص روحانی ذوق سے مشرف ہے۔ اس کے چہرے کی لطافت دیدنی ہے۔ تاہم وہ بات کم کرتا ہے۔ نعت یا قوالی سنتے ہی اس پر حالت وجد طاری ہو جاتی ہے۔ حامد علی درویش اپنے والدین بہن بھائیوں خاندان اور اپنے دور حیات کے لئے فی الواقع آیۂ رحمت ثابت ہوگا۔

کتنی خوش نصیب ہے وہ ماں جس کا حامد علی درویش بیٹا ہے۔ یہ بیٹا اپنی والدہ کو اپنے پیار اور دعاؤں سے اکثر نوازتا رہتا ہے۔ اس کا یہ معمول ہے کہ بعد نماز فجر قبرستان پیر بخاری ساہیوال میں حاضری دیتا ہے۔ بعد نماز مغرب قوالی سے محظوظ ہوتا ہے۔ بالعموم مسکراتا رہتا ہے۔ والدین کے حکم کو بخوبی سمجھتا اور بجا لاتا ہے۔ نماز با جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات خود بھی امامت کے لئے جائے نماز پر کھڑا ہو جاتا ہے۔



رشحاتِ قلم

تالیفاتِ مؤلّف کا اجمالی تعارف

۱۔ خزانہ عامرہ (مجموعہ اورادو وظائف)

اللہ تعالےٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے فقیر مؤلف کو عالمِ رؤیا میں قرآن حکیم کی بعض آیاتِ مقدسہ اور کلماتِ مبارکہ کے روحانی اسرار و رموز سے مطلع فرمایا۔ چنانچہ بحالتِ خواب سکھائی گئی ان آیات وکلمات کو مجموعہ اورادو وظائف کی صورت میں ترتیب دیا گیا اور خزانہ عامرہ اس کا نام رکھا گیا۔ فقیر نے صبح وشام اسے اپنا معمول بنایا۔ خزانہ عامرہ کے ورد کی برکت سے مؤلف کو فکرِ معاش اور فکرِ معاد ہر دو سے آزاد فرما دیا گیا۔ مزید یہ کہ عالمِ لطافت کے مشاہدات کا دروازہ بھی کھول دیا گیا۔

۲۔ تعارف ادارہ علم وعرفان ساہیوال:

اس رسالے میں مؤلف نے اپنے قائم کردہ علمی وروحانی ادارے "ادارہ علم وعرفان ساہیوال" کا تعارف پیش کیا ہے۔

۳۔ راہنمائے روحانی تربیت:

اس کتاب میں درویشی اور فقر کی ماہیت اور حقیقت کو محققانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ تصوف کے بارے میں ہر امکانی استفسار کا شافی جواب دینے کی پُرخلوص اور بھرپور کوشش کی گئی ہے۔

۴۔ سیرت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

اس کتاب میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان کو نرالے انداز میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ہے اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کائنات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود ہی سب کچھ ہے۔

۵۔ انسان اور موت :

یہ تالیف فلسفۂ موت وحیات پر عصر حاضر کا ایک فکر انگیز علمی، ادبی اور روحانی شاہکار اور اقوام عالم کے نام راحت وتسکین کا آفاقی پیغام ہے۔ اس تالیف میں مؤلف نے انسانی عظمت کو انسان کی فکری تاریخ کے آئینہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ بلا امتیاز مذہب وملت اور مسلک تالیف ھذا ہر انسان کی فطری ضرورت ہے۔

۶۔ مجموعہ مبشرات

اس کتاب میں مؤلف نے اپنے بچپن تا حال کے جملہ خوابی مشاہدات وکیفیات کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ کتاب فی الواقع معلوماتِ روحانی کا نادر مرقع ہے۔

۷۔ قندیل لطافت

یہ کتاب ایک طرح کی خود نوشت سوانحِ عمری ہے جو مؤلف کے بچپن تا حال واقعات زندگی پر مشتمل ہے۔ اس میں مؤلف نے اپنی قلبی واردات کیفیات اور مشاہدات کو شرح وبسط سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ ارباب ذوق کے لئے یہ کتاب انتہائی مفید مطلب ثابت ہوگی۔ انشاء اللہ۔ ⊙

اختتامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین ٥ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واولیاءِ امتہٖ اجمعین ٥

بعد از حمد و صلوٰۃ فقیر علم الدین قادری اویسی (مؤلف) عرض گذار ہے کہ اس کی دیرینہ آرزو اور شبانہ روز محنت شاقہ کے صلے میں کتاب مستطاب مسمٰی بہ "انسان اور موت" کی تالیف یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بروز پیر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ ہر چند کہ موضوع انتہائی اہم، دقیق اور متنازعہ فیہ تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عنایات اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نظرِ شفقت کا اعجاز ہے کہ کتاب ھٰذا میں موضوع مذکور کا ہر زاویہ نگاہ سے حصر کیا گیا ہے۔ امید واثق ہے کہ یہ تالیف تمام مکاتبِ فکر بالخصوص مسلمانانِ عالم کے لئے ایک آفاقی پیغام ثابت ہوگی۔

خاکسار مؤلف اپنے تمام عقیدت مندوں اور بہی خواہوں کا بصد امتنان شکرگزار ہے جن کی دلی محبت راہنمائی اور تعاون کے نتیجہ میں مسودہ کی تحریر واشاعت کا کام انتہائی خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہوا۔

عرصۂ دو سال کی سعی پیہم کے بعد اقوامِ عالم کے نام یہ نادر تحفہ ایک فکر انگیز ادبی شاہکار کی صورت میں تشکیل پایا۔ دریں اثنا مؤلف کے جملہ احباب گرامی نے دامے درمے سخنے قدمے اسے اپنی بے بدل

مشاورت اور معاونت سے سرفراز فرمایا۔

فقیر مؤلف بارگاہ ربّ العزت میں دست بدعا ہے کہ جناب رسالتماب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رحمتِ عمومی کے تصدق میں اس کی یہ پُرخلوص کوشش قارئین کرام کے لئے ہمہ جہت راہنمائی اور رُوحانی بالیدگی کا موجب ہو۔ اور اُسے قبول عام کا وہ درجہ نصیب ہو کہ آئندہ انسانی نسلیں تا ابدالاباد اس سے رُوحانی فیضان حاصل کرتی رہیں۔ نیز اس کے جملہ احباب و معاونین دین و دنیا میں عزّت و پذیرائی سے مشرف ہوں۔

مؤلف اپنے درج ذیل محسنین کا بالخصوص سپاس گذار ہے جنہوں نے ہر قدم پر اُسے اپنے قیمتی مشوروں اور بھرپور تعاون سے سرفراز فرمایا۔

- پروفیسر راؤ تجمل حسین ایم۔ ایس سی گورنمنٹ کالج ساہیوال
- پروفیسر محمد اشرف گورنمنٹ کالج ساہیوال
- چوہدری ضمیر احمد خاں بار ایٹ لاء ساہیوال
- پروفیسر محمد احمد گورنمنٹ کالج ساہیوال
- محمد معین پی سی ایس لاہور
- ڈاکٹر سردار علی فاضل لسانیات ساہیوال
- چوہدری فیض محمد نظامی کمالیہ
- حکیم بابو بشیر احمد کمالیہ
- جناب رشید احمد بٹ کمالیہ
- محمد آفتاب ٹوبہ ٹیک سنگھ
- چوہدری جمال اشرف ایم اے انگلش ساہیوال
- پروفیسر افتخار حسین پنجاب یونیورسٹی لاہور

- چوہدری محمد اسلم طاہر ایڈووکیٹ ساہیوال
- لالہ محمد سرور ساہیوال
- حافظ محمد عامر لندن
- میاں محمد منشاء بستی مہتاب پور چشتیاں
- میاں غلام علی یوسف والا ساہیوال
- میاں محمد بشیر کامیانہ ایڈووکیٹ ساہیوال
- میاں محمد یونس (یوسف ٹیٹرز) ساہیوال

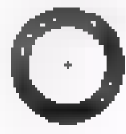
رَبِّ هَبْ لِیْ حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝
وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ ۝

تمت بالخیر

فقیر علم الدین قادری اویسی
ادارہ علم و عرفان۔ پاکپتن روڈ ساہیوال
(یکم رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ بروز پیر)

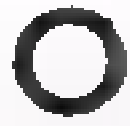
قطعۂ تاریخ تالیف

(انسان اور موت)



نوکِ قلم کو جب مِلا تحریر سے فراغ
خوشبو سے اس کی سب کا معطّر ہوا دماغ

ہاتف نے دی زمانۂ تالیف کی نوید
"فیضانِ عشق" میں تمہیں مل جائے گا سراغ
۱۴۱۱ھ



میاں علم الدّین (مؤلف)

تقریظ

انسان اور موت

انسان بلاشبہ اشرف المخلوقات ہے مگر اس شرف کے درجات کا تعین یقیناً اس کے علم و عرفان کی سطح ہی کرتی ہے۔ انسان کو غور و فکر کی جو تلقین کی گئی ہے اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اسرار و رموزِ کائنات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے چنانچہ بہت سے محققین نے حیات و ممات ایسے دقیق موضوعات پر قلم اٹھایا اور اپنی رفعتِ فکر کے مطابق تاثرات پیش کئے البتہ جذبہ عشقِ صادق سے سرشار عظیم انسانوں ہی نے عرفانِ حقیقت تک کامل رسائی حاصل کی۔

عشق کا ایک درجہ تو ایسا ہے جس میں عشاق کو کارگاہِ حیات میں عشق ہی ہر طرف متصرف نظر آتا ہے ان کی نظر میں حیات ہوشیاریٔ عشق ہے جبکہ ممات مستیٔ عشق۔

زیرِ نظر تالیف کا تاریخی نام فیضانِ عشق اس بات کا بیّن ثبوت پیش کرتا ہے کہ کتاب " انسان اور موت " اک جذبہ عشقِ خاص کے تحت تالیف ہوئی ہے۔ کتاب کی ابتدا ہی اس شعر سے ہوتی ہے۔

نگاہ ہے یا رسول اللہ نگاہ ہے
ہمیشہ گر نباشد گاہے گاہے

سچ تو یہ ہے کہ جسے متاعِ عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہو جائے

اس کے لئے حقیقتِ انسان، حقیقتِ موت اور خوفِ موت ایسے عمیق و دقیق موضوعات کو سمجھنے اور سمجھانے میں کیا دشواری ہو سکتی ہے اسے تو شعاعِ آفتابِ مصطفوی سے وہ تمام اشیاء نظر آنے لگتے ہیں جسے طائفۂ فلاسفہ سمجھنے سے قاصر ہے

مؤلفِ کتاب جناب میاں علم الدین قادری اویسی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ ذوق سے سرشار ہونے کے باوصف اپنے طرزِ حیات میں عدل و توازن کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے محض روایات کا سہارا نہیں لیا بلکہ اپنے مشاہدات اور وارداتِ قلبی کی روشنی میں حقائق و معارف کو لطیف پیرائے میں سمجھایا ہے اور جذبے کی صداقت کتاب کی جان ہے۔

اسلوبِ نگارش اور ترتیبِ مضامین کے لحاظ سے کتاب معیاری ادب کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے۔ بعض مقامات پر اشعار کے مؤثر اور برمحل استعمال نے کتاب کی افادیت و اہمیت کو مزید بڑھا دیا ہے ——

"انسان اور موت" علم و عرفان کی دنیا میں ایک وقیع اضافہ ہے جو صاحبانِ ذوق کے لئے باعثِ تسکین اور عام قاری کے لئے معلومات افزا تالیف ہے۔

پروفیسر سید محمد اکبر
گورنمنٹ کالج ساہیوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"انسان اور موت"

دیباچہ طبع دوم

بفضلہٖ تعالیٰ خاکسار مؤلف کی زیرِ نظر تالیف "انسان اور موت" پہلی بار ۱۹۹۱ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ گذشتہ قلیل عرصہ کا عوامی تاثر اور اشتیاق اس امر پر شاہد ناطق ہے کہ انسانی عظمت اور فلسفہ موت وحیات پر مشتمل یہ لافانی اور فقید المثال علمی ادبی اور رُوحانی شاہکار ہر ذوق کے قاری کے لئے انتہائی مفید اور رُوح پرور ثابت ہوا ہے بالخصوص غمِ دُنیا اور فکرِ آخرت میں مبتلا افرادِ معاشرہ نے اسے اپنے لئے رُوحانی خوشی اور دُنیاوی خوشحالی کا آفاقی پیغام تصوّر کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عظیم علمی، ادبی اور رُوحانی تحفے کی بدولت بے شمار لوگ خوفِ موت کے بوجھ سے چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں۔ تالیف ھٰذا کا یہ عمومی فیضان دیکھ کر فقیر مؤلف کو ایک گونہ قلبی راحت اور اطمینان نصیب ہوا ہے۔ بایں سبب وُہ بارگاہِ ربّ العزّت میں ہزار سجدہ شکر بجا لاتا ہے۔

"انسان اور موت" کی اوّلین اشاعت پر ملک اور بیرونِ ملک کے جیّد علماء، پروفیسر صاحبان اور اربابِ فکر و دانش نے انتہائی محبت آمیز جذبات اور حوصلہ افزا تاثرات کا اظہار فرمایا ہے۔ بعض احبابِ گرامی نے

تالیف ھٰذا کو آج کے اس پُرآشوب دور کی فطری ضرورت قرار دیا ہے جبکہ بعض اربابِ نظر نے اسے دین و دُنیا کی جملہ پریشانیوں کا حل خیال کیا ہے ـــــ مؤلّف اپنے ان تمام محسنین اور گرامی قدر قارئین کا تہہ دل سے سپاس گزار ہے جنہوں نے اسے اس قدر عزّت افزائی اور پذیرائی سے مشرف فرمایا ہے۔

اندریں حالات خاکسار مؤلّف اپنی مقبولِ عام تالیف "انسان اور موت" کو احباب گرامی اور قارئین کرام کے حضور طبع دوم کے طور پر پیش کرتے ہوئے قلبی راحت اور رُوحانی سکینت محسوس کرتا ہے۔ تالیف ھٰذا کی اشاعتِ ثانی میں کوئی خاص ترمیم یا اضافہ نہیں کیا گیا۔ تاہم کتابت کی معمولی اغلاط کی تصیح کر دی گئی ہے۔

اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں دُعا ہے کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی محبت کے تصدق میں فقیر مؤلّف کی اس خصوصی کاوش کو حسنِ قبول سے سرفراز فرمائے۔ نیز اسے قارئین کرام کی ہمہ جہت راہنمائی اور رُوحانی بالیدگی کا ذریعہ بنائے۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَوْلِیَاءِ اُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ـ آمین۔

(مؤلّف)
فقیر علم الدّین قادری اویسی
ادارہ علم و عرفان سکیم فیکٹری پاکپتن روڈ ساہیوال شہر

مورخہ ۲۷، مارچ ۱۹۹۳ء

تعارف

ادارہ علم و عرفان ۔ ساہیوال

ایک علمی گہوارہ ۔ ایک رُوحانی تحریک

حمد و صلوٰۃ کے بعد بانی ادارہ فقیر علم الدین قادری اویسی عرض گذار ہے کہ ادارہ علم و عرفان ساہیوال، اکتوبر ۱۹۸۴ء میں قائم کیا گیا۔ ادارہ ھٰذا کا قیام ایک خاص علمی اور رُوحانی ذوق کا حامل ہے۔ ادارہ بابا فرید فلور ملز پاکپتن روڈ ساہیوال سے مشرق کی جانب بفاصلہ ایک کلومیٹر ۹/۹۶ ایل شاہراہ پر واقع ہے اور ۵۴ مرلے اراضی پر محیط ہے۔ ادارہ ھٰذا کی عمارت ایک عظیم الشان مسجد، چند کمروں اور دلکشا سبزہ زار پر مشتمل ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مزید تعمیراتی کام جاری ہے

ادارہ ھٰذا کے قیام کا مقصد وحید علم و عرفان میں رقابت اور مغائرت کے موہوم احساس کو ختم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے جدید سائنسی، عمرانی اور رُوحانی اقدار کے تناظر میں نوجوان نسل کی علمی، فکری اور معاشرتی راہنمائی کا مقدس فریضہ بذریعہ خطبات جمعہ ادا کیا جاتا ہے نیز تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ اس کے نتیجے میں نوجوان نسل میں ایک عجیب علمی ذوق اور رُوحانی تڑپ پیدا ہوئی ہے۔ ادارہ کی مسجد علم و عرفان میں ساہیوال شہر اور اس کے مضافات میں رہنے والے لوگ بصد ذوق و شوق نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ یہ روح پرور منظر دیدنی ہوتا ہے۔ فقیر (بانی ادارہ) خطابت اور امامت کے فرائض خود سرانجام دیتا ہے۔ ادارہ ھٰذا اپنی مدد آپ کے اصول پر تشکیل دیا گیا ہے۔ تاہم علم و عرفان کے مربی احباب گرامی کا بھرپور تعاون جاری ہے۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

تعارف کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات کے ہاتھوں پریشان لوگوں کے نام۔ راحت و تسکین کا دلکش پیغام
(ہر قسم کی ذہنی، جسمانی اور مالی پریشانیوں کا حیرت انگیز تریاق)

خزانۂ عامرہ

یعنی

مجموعہ اوراد و وظائف

مؤلف کی پہلی مقبول عام تالیف "انسان اور موت" کے بعد
خیر کثیر کا موجب ایک اور روحانی تحفہ

- قرآنی آیات و کلمات اور ماثورہ دعاؤں کا حسین مرقع۔
- دعا کے روحانی اور ایٹمی اثرات کا روح پرور تذکرہ۔
- چند مجرّب اور آسان طبی نسخہ جات کا لاجواب مجموعہ۔

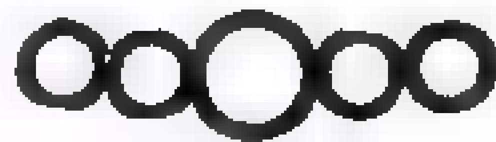
○ مرحوم عزیزوں اور بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لئے صدقہ جاریہ۔

○ دُنیا و آخرت کے جملہ معاملات کی کفایت کے لئے اکسیر مجرّب۔

گھریلو سکون۔ مالی خوشحالی۔ مناسب روزگار۔ وسعت کاروبار عہدہ میں ترقی، تعلیمی کامیابی۔ منشیات اور بیماری سے نجات۔ قرض سے رہائی۔ مقدمات سے خلاصی۔ مناسب رشتے ناطے۔ صالح اولاد۔ فوت شدگان سے ملاقات اور رُوحانی مراتب کے حصول کے لئے بے بدل نسخۂ کیمیاء



مشمولہ ۴۴۴ صفحات۔ عمدہ کاغذ۔ معیاری چھپائی دیدہ زیب جلد۔ ہدیہ ۳۵ روپے



فقیر علم الدّین قادری اویسی

ادارہ علم و عرفان

اندرون سکیم ٹاؤن۔ پاکپتن روڈ۔ ساہیوال

تعارف کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طالبانِ راہ طریقت کے لئے ایک نادر تحفہ

راہنمائے رُوحانی تربیّت

مؤلف کی پہلی دو مقبول عام تالیفات "انسان اور موت" اور "خزانۂ عامرہ" کے بعد خیر کثیر کا موجب ایک اور علمی، اُدبی اور رُوحانی شاہکار

کیا آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ

- انسان کیا ہے۔ رُوح کیا ہے اور رُوحانیت سے کیا مراد ہے۔
- پیرِ طریقت یا رُوحانی مرشد کون ہوتا ہے اور اس کا مقام کیا ہے۔
- ظاہری پیرِ طریقت کے علاوہ رُوحانی تربیّت کے دیگر (باطنی) ذرائع کون کون سے ہیں۔

○ —— موجودہ اور سابق پیرانِ کرام میں کیا فرق ہے۔

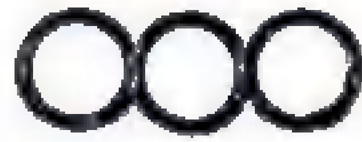
○ —— سائنس اور رُوحانیت میں کس قسم کا تعلق پایا جاتا ہے۔

○ —— عصرِ حاضر میں رُوحانیت کا کہاں تک امکان ہے۔

○ —— کچھ لوگ رُوحانیت کا کیوں انکار کرتے ہیں۔

○ —— رُوحانیت کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

○ —— انسان کہاں سے آرہا ہے، کہاں جا رہا ہے اور اس کی آخری منزل کیا ہے۔



یہ ایسے غور طلب سوالات ہیں جو ہر زمانے میں انسان کے سامنے رہے ہیں۔ آج کا انسان بھی ان سوالات کے جوابات کا تقاضا کر رہا ہے۔ اس قسم کے بے شمار اور فکر انگیز سوالات کے شافی جوابات کے لئے "راہنمائے رُوحانی تربیت" کا مطالعہ انتہائی مفید ثابت ہوگا۔ اسے آج ہی خرید لیجئے اور اپنے دِلوں کو رُوحانیت کے نور سے منوّر کیجئے۔

کتاب ھذا مشمولہ ۱۹۳ صفحات عمدہ کاغذ، معیاری چھپائی، دیدہ زیب جلد مع پلاسٹک کور۔ قیمت صرف ۷۵ روپے

فقیر علم الدّین قادری اویسی (مؤلف)

ادارہ علم و عرفان اندرون سکھیرا ٹاؤن۔ پاکپتن روڈ ساہیوال

مؤلف کی دیگر کُتب

ہر قسم کی ذہنی جسمانی اور مالی پریشانیوں کا حیرت انگیز تریاق

عصرِ حاضر کی تین عظیم علمی، ادبی و روحانی تالیفات

مُشاہداتِ حج

فلسفہ حج و عُمرہ پر ایک لاجواب تالیف — ہدیہ ۷۵ روپے

خزانۂ عامرہ

مجموعہ اوراد و وظائف — ہدیہ ۵۰ روپے

راہنمائے رُوحانی تربیّت

طالبانِ راہِ طریقت کے لئے خضرِ راہ — ہدیہ ۱۱۵ روپے

اپنی ذات، کائنات اور خالقِ کائنات کا عرفان حاصل کرنے کے لئے کتبِ مذکور کا مطالعہ ہر شخص کی فطری ضرورت ہے۔ ان کی بدولت دین و دُنیا ہر دو میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اپنے شہر کے کتب فروشوں سے آج ہی طلب فرمائیے اور استفادہ کیجئے۔

(شائع کردہ) ادارہ علم و عرفان کھیڑا ٹاؤن نزد ریلوے پل نمبر ۲۔ پاکپتن روڈ ساہیوال

فراہمی کتب کے دیگر مراکز

(۱) فریدی کتب خانہ درگاہ بازار پاکپتن شریف
(۲) محمد رفیق ضلع کچہری پاکپتن شریف
(۳) مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

ساہیوال پریس پاشا سٹریٹ ساہیوال فون ۵۶۶۰۰

مؤلف کی دیگر کتب

ہر قسم کی ذہنی جسمانی اور مالی پریشانیوں کا حیرت انگیز تریاق

عصرِ حاضر کی تین عظیم علمی، ادبی و روحانی تالیفات

مشاہداتِ حج

فلسفہ حج و عمرہ پر ایک لاجواب تالیف — ہدیہ ۷۵ روپے

خزانہ عامرہ

مجموعہ اوراد و وظائف — ہدیہ ۵۰ روپے

راہنمائے روحانی تربیت

طالبانِ راہِ طریقت کے لئے خضر راہ — ہدیہ ۱۱۵ روپے

اپنی ذات، کائنات اور خالقِ کائنات کا عرفان حاصل کرنے کے لئے کتب مذکور کا مطالعہ ہر شخص کی فطری ضرورت ہے۔ ان کی بدولت دین و دنیا ہر دو میں کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اپنے شہر کے کتب فروشوں سے آج ہی طلب فرمائیے اور استفادہ کیجئے۔

(شائع کردہ) ادارہ علم و عرفان سکھیرا ٹاؤن نزد ریلوے پل نمبر ۲۔ پاکپتن روڈ ساہیوال

فراہمی کتب کے دیگر مراکز

(۱) فریدی کتب خانہ درگاہ بازار پاکپتن شریف

(۲) محمد رفیق ضلع کچہری پاکپتن شریف

(۳) مکتبہ فریدیہ جناح روڈ ساہیوال

ساہیوال پریس پاشا سٹریٹ ساہیوال فون ۷۵۶۶۰